دُرۃ التاج



حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ
السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (بنی اسرائیل)

از شعور است اینکہ گوئی نزد و دور ❖ چیست معراج انقلاب اندر شعور

دُرَّةُ التَّاج

فی تحقیق

الاُسراء والمُعراج

(حصّہ اوّل و دوّم)

مؤلف

حضرت مولٰنا سیّد محمّد قاسم شاہ صاحب بخاری مدظلہٗ

صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و
مہتمم دارالعلوم حنفی عربی کالج "بالہ مارہ" ڈنورہ باغ سرینگر
-((خطیب و امام مرکزی تبلیغی مسجد سکہ ڈافر))-

کوائف!

نام کتاب	دُرّۃ التّاج
موضوع	معراج النّبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
مؤلف	حضرت مولانا سیّد محمد قاسم شاہ صاحب بخاری مدظلہ
صفحات	۲۰۰ (مع ٹائیٹل)
مطبع	
سنہ	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ ہجری
ناشر	دار المؤلفین، عیدگاہ سرینگر کشمیر
کاتب	عبد الحمید جاوید عیدگاہ سرینگر
ھدیہ	=/35 روپے

Rs 25 00

انتساب !

چونکہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک عظیم روحانی واقعہ ہے۔ لہٰذا ہم اِس کتاب کا انتساب وادیِ کشمیر کے اپنے سرکردہ روحانی پیشوا حضرت فقیرِ ملت سیّد میرک شاہ صاحب کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام حضرت مولانا رومؒ کے اس شعر کے ساتھ کرتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مردِ کاملے پامال شو

کمترین
بخاری عفی اللہ عنہٗ

تمہید!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحمدُ لوَلیّہٖ والصّلوٰۃ والسّلام علی النّبی وَاٰلِہٖ

امّا بعد

تمام انصاف پسند اور حقائق شناس حضرات اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے نبی مکرّم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صاحبِ التاج والمعراج صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جمیع محاسن و کمالات کا مصدر اور سرچشمہ بنایا تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ خدائیت اور الوہیت میں لاشریک ہے۔ اسی طرح ہمارے پیغمبر اولین و آخرین میں اپنے اخلاقی کمالات، علمی اقدار، آیات بیّنات اور معجزات باہرات میں یکتا، بے مثال اور بے نظیر ہیں۔ وَلِلّٰہِ درّ القائل ؎

منزہٌ عن شریک فی محاسنہٖ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسمٖ

اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" سے بہت آگے اور گوئے سبقت لئے ہوئے ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزاتِ شریفہ میں وہ عظیم الشان معجزہ بھی شامل ہے، جس کا تذکرہ خود ربّ العالمین نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے اور جو معجزہ اسراء و معراج کے نام سے مشہور ہے، یعنی راتوں رات چند لمحات میں مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصیٰ تشریف لیجانا اور وہاں سے ارض و سما کے مقامات و منازل طے کرنا ربّانی عجائبات و آیات کا مشاہدہ کرنا اور قربِ الٰہی میں دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام سے سرفراز ہونا۔ چنانچہ آپ نے واپسی پر حسب تفصیل سے اس معجزۂ عظیم کی کلیات و جزئیات کو بفحوائے واما بنعمۃ ربک فحدث بیان فرمایا ہے وہ آج بھی ہم کتب احادیث و سیر میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اور دورِ نبوت سے آج تک برابر علمائے کرام و اولیائے عظام نے اس موضوع پر لاکھوں صفحات منثور و منظوم تحریر کئے ہیں باقی رہے ہم سیاہ کار اُمتی، ہم اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہیں کہ پوری تفصیل و تحقیق سے آپ کے اس عظیم البرکت معجزہ اور شب بہتر از ایام میں حاصل شدہ کمالات و مشاہدات کا مطالعہ کر کے انہیں سرمۂ چشم عقیدت بنا کر اپنے اعتقادات و اعمال کو درست کریں تاکہ فرداً آپ کی شفاعت کبریٰ کے اُمید وار بن جائیں۔

ہمیں بس گر چہ من کا سد قماشم ٭ وے در سلکِ خریدارنش باشم

اسی جذبۂ عقیدت کے تحت راقم نے آج سے ۱۵ پندرہ سال قبل "معراج النبیؐ" کے نام سے اس موضوع پر ایک کتاب تحریر کی۔ آج اس کی تجدید کرکے دوسرا حصّہ مع حصّہ اوّل آفسٹ طباعت پر شائع کرکے ہدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ۔ گر قبول افتد زہے عزو شرف

حصّہ اوّل کی طرح حصّہ دوم بھی علمائے اُمت کی مستند ترین کتابوں سے ماخوذ ہے کیونکہ ہم سلفِ صالحین کے تحریر کردہ سرمایۂ علم میں جدت طرازی کے قائل نہیں ہیں۔

اس سلسلے میں ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے معاونینِ کرام عزیز القدر الحاج شوکت حسین کینگ قادری رکنِ انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر اور عزیزی جناب عبدالحمید صاحب ہما جاوید کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی امداد اور زبانی مشورں سے خاکسار کمترین نے فائدہ اٹھایا ٭ بارک اللّٰہ فی اعمارھم

بخاری عفی اللہ عنہ

دارالتحریر :- بخاری منزل عیدگاہ سرینگر

۲۹ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ للہ الّذی کرّم سیّدنا و مولانا محمّدً ابالاسراءِ والمعراج والمقام الاقرب الادنیٰ مِن المسجد الحرام الی المسجد الاقصےٰ الی السّموات العُلیٰ الی سدرۃ المُنتہیٰ الی قابَ قوسینِ او ادنیٰ فاوحیٰ الیہ ما اوحیٰ ـ صلوٰاتُ اللہ وَ سلامُہٗ علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ مادام یُتلیٰ والنجم اذا ھویٰ مَاضلَّ صاحبکم ومَا غویٰ ــــ

اَمّابعدُ !

واضح رہے کہ چند احباب نے راقم سے اس بات کی درخواست کی کہ میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج کے عظیم الشان واقعات پر روشنی ڈالوں تاکہ بعض نیم پختہ

مدعیانِ دین اور مادّیات وطبعیّات کے پرستاروں کے بیانات
سے آپؐ کے معراج کے بارے میں عوام مسلمین میں جو غلط فہمی پیدا
ہوئی اور ہورہی ہے وہ ایک حد تک دُور ہو جائے۔ یہ
گذارش واستدعا بجائے خود درُست ہے، اس قسم کے
دیندار احباب کا شکر گذار ہوں کہ اُن کی آرزو بالکل بجا
ہے کہ دینی روایات اور مذہبی واقعات میں کسی طرح کوئی
مادہ پرست اور امور طبعیہ کا بندہ اور پرستار چور
دروازہ سے داخل نہ ہونے پائے، کیونکہ اِسراء اور معراج
حضرت سیّدُالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی
معجزات اور مخصوص کمالات میں سے ایک عظیم الشان اور
رفیعُ القدر معجزہ ہے جس کے لئے اولین وآخرین میں سے
آپؐ ہی قدرت کی طرف سے چُنے گئے اور منتخب فرمائے
گئے ہیں۔ اور اگرچہ دوسرے انبیاء کرامؑ بھی معراج سے
سرفراز کئے گئے مگر جناب حضرت رسول کائنات صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرامؑ کی معراج میں زمین و
آسمان کا فرق ہے۔ لہذا آپؐ کی معراج اور دیدارِ الٰہی

سے سرفراز ہونا اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ آپؐ کا ایسا
بیّن اور واضح معجزہ ہے، جس سے ہم گنہگار اُمتّیوں کو بھی
ایک بہرہ اور حصّہ ملا ۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی
اصلیت بیان کرنا اور اس پر جو اشکالات و اعتراضات
پیش کئے جاتے ہیں، ان کا جواب دینا ہمارے اہم دینی
فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے اس لئے اس بارے
میں کچھ استدعا اور سوال کرنا اپنی جگہ مبارک ہے مگر
میرے اس قسم کے احباب میری مصروفیات اور میرے
کاموں میں اچھی طرح واقف ہیں کہ میری تنظیمی سرگرمی،
تبلیغی مشاغل اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ اتنا زیادہ
اور وافر ہے کہ اس اہم موضوع پر قلم اُٹھانا، معراج
کا واقعہ شرح و بسط سے لکھنا اور عوام و خواص کے
ذہنوں اور دماغوں کو اطمینان بخشنا کار سے دارد والا
معاملہ ہے، کیونکہ عصرِ حاضر میں ایک طرف فلسفہ، سائنس
اپنے پورے عروج و شباب پر ہے اور دوسری طرف
سے معراج کے واقعات پر قلم کو جنبش اور حرکت دینا

بھی معمولی بات نہیں ــــ بایں ہمہ تعمیلِ حکم کے طور پر چند صفحات قرآن و حدیث اور تاریخی روایات کی روشنی میں پیشِ خدمت ہیں۔ اگر یہ صفحات ٹھیک اور درست ہوں تو فبہا ونعم کہ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے اور اگر اِن مختصر صفحات میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو اسکو میری کم علمی اور بے بضاعتی پر محمول کیجئے وَبِاللّٰہِ التّوفیق

ہاں اس جگہ معراج کے نفسِ واقعہ پر قلم اُٹھانے سے پہلے دو مقدمہ پیشِ خدمت کروں گا جن سے نفسِ موضوع، معراج اور اس کا مقصد نہایت سہولت و آسانی سے سمجھ میں آجائے ــــ پہلا مقدمہ ملاحظہ فرمائیے :

مقدمۂ اوّل

جب آپ کرۂ زمین کی، مادی مخلوقات اور عالمِ سفلی کے تمام ذرات پر غور فرمائیں گے تو آپ ان کو تین چیزوں میں منحصر دیکھیں گے، کہ یا وہ جمادات ہوں گے جن میں احساس

وشعور، نمو بڑھنا اور ارادہ بالکل مفقود ہوتا ہے۔
یہ چیزیں جمادات کی فطرت وطبیعت سے خارج از امکان ہیں: جیسے خاک وباد، آگ وہوا اور دوسری ہیچ قسم کی چیزیں ہیں۔

۲۔ دوسری، مخلوقات نباتات کو آپ دیکھتے ہیں کہ یہ زمین سے اُگتی ہیں۔ جیسے درخت، بیل بوٹیاں وغیرہ وغیرہ۔ ان میں حس وشعور، فہم وادراک اور ارادہ نہیں ہے۔ مگر ان میں نمو اور ترقی، بڑھنا گھٹنا اور حرکت غیر ارادی ضرور پائی جاتی ہے۔

۳۔ تیسری، مخلوق حیوانات کی ہے کہ ان میں حس وشعور، نمو وترقی اور حرکت ارادی ضرور پائی جاتی ہے مگر عقل نہیں ہے ـــ ان تین مخلوقات کو موالید ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سب سے اخس اور ادنےٰ جمادات ہیں درمیانی مخلوق نباتات کی ہے اور سب سے اعلیٰ واکمل حیوان ہے۔ کہ حیوانات میں وہ سب کچھ پایا جاتا ہے، جو جمادات ونباتات میں پایا جاتا ہے۔ اس کا عکس کُلی

نہیں ہے اور پھر حیوانات کی ہزاروں انواع ہیں، سب سے کامل و جامع نوع حیوان کی انسان ہے اور انسانوں میں سب سے کامل تر اور جامع ترین افراد حضرات انبیاء و مرسلین علیٰ نبینا و علیہم الاسلام اور انبیاء کرام میں سے بھی سب سے اکمل اور سب سے جامع شخصیت حضرت سید المرسلین، صاحب التاج والمعراج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ع

یتیمی کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانہ چند ملت بشست

سُبحان اللہ! آنحضور علیہ افضل الصلوات من ربنا الغفور کی اشرفیت و افضلیت کے کیا کہنے اور اس کا اندازہ کرنا کس کی بس کی بات ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجئے: ع

حبیب خدا اشرفِ انبیاء ۔ کہ عرشِ مجید ش بود متکا
سوار جہاں گیر یکراں براق ۔ کہ بگذشت از قصر نیلی رواق
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

غرض مذکورۂ بالا موالیدِ ثلاثہ کے اجمالی تعارف کے بعد آپ ؐ اخس مخلوقات اور ادون جمادات میں سے پانی کے ان قطرات کو لیجیئے جو بظاہر جماد و بے حس اور بے فہم و بے شعور ہیں۔ جب یہ زمین پر تقاطر کرنے اور برسنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ پہاڑوں، ندیوں، نالوں اور گھڑوں میں مل جاتے اور اکٹھے ہو جاتے ہیں تو پھر یکایک پانی کے ان مجتمع قطرات کا سکون و قرار اور چین و آرام ختم ہو جاتا ہے اور پوری بے چینی و بے قراری سے ان کو اپنا اصلی مرکز (سمندر اور بڑے بڑے دریا) یاد آتے ہیں تو یہ قطرات فوراً نالہ و شیون کے ساتھ بڑے بڑے پہاڑوں، دروں اور خطرناک وادیوں اور نالوں سے سفر اختیار کر کے پورے جوش و خروش اور ہمت و عزیمت سے موانع و حجابات کے بڑے بڑے پتھروں کو سنگریزوں اور ذرّات میں تبدیل کر کے آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ طرفہ یہ ہے کہ ایسے راستے اختیار کرتے ہیں جہاں سے یہ مرکز و منبع اور اپنے سرچشمہ سے ہمکنار و ہم بغل ہو

جاتے ہیں، اور دریاؤں اور سمندروں میں پہنچ کر وہ بے پناہ قوّت و طاقت بن جاتے ہیں کہ ان قطرات کو کوئی قطرات نہیں کہتا۔ بلکہ قطراتِ مجتمعہ کو دریا، سمندر اور بحرِ بیکراں سے تعبیر کرلیتا ہے۔ اس تمثیل سے ہمارا یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ جب پانی کے قطرات میں جن میں بظاہر حس و شعور مفقود ہے۔ پھر بھی بایں وصف اپنے منبع اور مرکز کی تلاش میں حیران و سرگردان پھرتے ہیں اور اپنے اصل کی تلاش و جستجو میں رہتے ہیں تو پھر اشرف المخلوقات، حبیب کبریا روحی لہٗ الفدا اپنے مرکزِ فیاض ازلی، ربُّ الارباب کی تلاش میں سفر کرکے اس کے دیدار سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب نہیں بلکہ فطرتِ سلیمہ اور طبیعتِ مستقیمہ کے عین مطابق ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے مذکورہ تمہیدی کلمات پر یہ اعتراض فرمائیں گے کہ صاحب! پانی کے برسنے والے قطرات بے حس و بے جان اور بے شعور و بے روح ہیں۔ پھر ان

ہیں وجدانی حالت، اضطرابی کیفیت اور ان کی اپنے مرکز کی طرف کشش اور تلاش، یہ جوش و خروش اور وصل یار کی آرزو و تمنا کا کوئی معنے و مطلب نہیں ہے اور اس قسم کی فرضی تمثیلات کو واقعات پر منطبق کرنے کی کوشش کرنا کوئی مقصد نہیں رکھتا۔

تو ہم آپ کے اس اعتراض کا آسان اور سہل لفظوں میں اس طرح جواب دینا چاہتے ہیں کہ واقعی یہ بات تسلیم ہے کہ ہم اور آپ کے نزدیک پانی اور اس کے قطرات بے حس و بے شعور ضرور ہیں۔ مگر یاد رکھئے کہ اہلِ شعور کے نزدیک پانی کے قطرات اور ہر قسم کے باقی جمادات بے شعور نہیں ہیں، بلکہ ان میں طبعی فکر و شعور ضرور ہے جو ان قطرات کو ہزاروں بل کھاتے ہوئے نکڑوں اور نالوں سے سفر کرنے اور اپنے اصل سے ملنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر میں اسی حقیقت کو واضح اور منظر عام پر لانا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ع خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
با من و لتو مردہ با حق زندہ اند

یعنے، مٹی، ہوا، پانی اور آگ یہ سب خدا تعالیٰ کے بندے اور اس کے حکم کے تابع ہیں، اور یہ دوسری بات ہے کہ یہ چیزیں میرے اور تیرے نزدیک جمادات و بے جان ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ اور تابع فرمان ہیں۔

یہ حق ہے کہ رسمی عقل و دانش کے چاکروں، مادہ پرستوں اور طبعیات کے ماہروں کو حضرت رومیؒ کے اس شعر پر بھی تعجب ہوگا، مگر نفوسِ قدسیہ کے مالک اور اہلِ دِل کے نزدیک واقعہ اور نفس الامر وہی ہے جو ہم نے حضرت رومیؒ کے اس شعر کی تبعیت میں کہا ہے' ظاہری علم آنکھوں سے نہیں سمجھتے اور نہیں دیکھتے ہیں بلکہ وہ بینا دلی اور پاک ضمیری سے اشیاء کا مطالعہ کر لیتے ہیں اور حقائق کی تہ تک یہی حضرات پہنچتے ہیں اور بس۔ اس لئے حضرت عارف رومی رحمتہ اللہ علیہ اسی مضمون کو اور وضاحت کے ساتھ ان ابیات

ہیں اس طرح فرماتے ہیں : ؎

فلسفی منکر شود در فکر و ظن
گو برو سر را براں دیوار زن

نطقِ آب و نطقِ باد و نطقِ گِل
ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل

فلسفی کو منکرِ حنّانہ است
از حواسِ انبیائے گانہ است

ترجمہ :- "اگر فلسفی جمادات کے فکر و ظن کا منکر ہو جائے تو اس کو ہونے دو اور کہہ دو اپنے کور مغز سر کی کھوپڑی دیوار پر مار۔ کیونکہ پانی کی باتیں، ہوا کا کلام اور کیچڑ کی نرم گفتاری کو اہلِ دل حضراتِ صوفیہ خوب سمجھتے ہیں اور اگر فلسفی اُستنِ حنّانہ کے متواتر واقعہ کا انکار کرے اور تسلیم کرنے سے ہچکچائے تو کوئی تعجب نہیں بلکہ ایسے خشک فلاسفہ انبیاءِ کرام کے پختہ حواس اور ان کے خدا داد دل و دماغ سے بہت دور ہیں، کہاں فلاسفہ اور کہاں انبیاءِ کرام علیہم السّلام اجمعین۔

اسی طرح جمادات اور بے جان چیزوں میں سے پتھر بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں پتھروں کے متعلق فرماتے ہیں:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

کہ انہیں پتھروں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے کی طرف لڑھک جاتے ہیں۔"

ہر چند پتھر جماد، بے جان و بے روح ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے خوف وخشیت ثابت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت اسی چیز کو ہوگی جس میں کچھ شعور و دانش ہو۔ اس لئے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور مفسّر حضرت امام علاء الدّین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الصّوفی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "لباب التاویل فی معانی التّنزیل" میں لکھتے ہیں:

فَاِنْ قلت الحجرُ جمادٌ لا يعقل وَلا يفهمُ فكيفَ يخشى قُلتُ اِنَّ اللّٰهَ تعالیٰ قادِرٌ علٰى اِفهامِ الحجر والجمادات فيعقلُ ويخشى بالهامه لها ومذهبُ اهلِ السُّنّةِ اِنَّ اللّٰهَ تعالیٰ اودع

فی الجمادات والحیوانات علمًا و حکمۃً لا یقفُ علیھا
غیرہٗ فلھا صلوٰۃٌ و تسبیحٌ و خشیۃٌ یدلُّ علیہِ
وَ اِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ الطَّیرُ صَافَّاتٍ
کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَہٗ وَ تسبیحَہٗ فیجبُ علی المرأ
الایمانُ بہٖ وَ یکِلُ علمہٗ اِلیَ اللّٰہِ تعالیٰ۔"

ترجمہ: "اگر تم اس آیت مبارکہ پر یہ سوال کرو گے کہ پتھر جماد بے شعور و بے فہم ہے تو وہ کس طرح اللہ تعالےٰ کے خوف سے اُوپر سے نیچے کی طرف لڑھک جاتا ہے؟ تو میرا اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ پتھر اور دوسرے جمادات کو سمجھانے پر پوری قدرت و طاقت رکھتا ہے تو اس صورت میں خدا تعالےٰ کے الہام و القاء سے جمادات بھی فہم و دانش رکھتے ہیں" اور مفسّر مذکور مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس بارے میں اہلِ سُنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جمادات کے اندر بھی علم و حکمت اس طرح رکھ دی ہے کہ جس پر اس کے سوا کوئی واقف نہیں۔ لہٰذا جمادات کے لئے نماز، تسبیح اور خشیّت و پرہیزگاری ثابت

ہے، جس پر آیت : وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ
کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید سے سرشار
اور معمور نہیں، گواہ ہے ۔ اور اسی طرح آیت : وَالطَّیْرُ
صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ کہ پرندے
صفیں باندھے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک نے اپنی نماز و
تسبیح کو معلوم کیا ہے ۔

مفسرِ مذکور فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آیات کے مدلولات
اور معانی پر ایمان لانا فرض ہے ، گویا اسلام تمام موالیدِ ثلاثہ
میں حسبِ مدارج شعور مانتا ہے ۔ چنانچہ اسی آیت : وَاِنْ
مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں
" قَالَ ابْن عباس رض وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ حَیٍّ اِلَّا یُسَبِّحُ
بِحَمْدِهٖ وَ قِیْلَ جمیعُ الحیوانات وَالنَّبَاتات قِیْلَ اِنَّ
الشجرۃَ وَالاُسطوانۃَ لَا تسبیحُ وَ قِیْلَ اِنَّ التراب
یُسَبِّحُ مالمْ یبتلّ فاذا ابتلّ ترکَ التَّسبیحَ وَ اِنَّ
الثوبَ یُسَبِّحُ مادام جدیدًا فاذا التسخَ ترکَ التسبیحَ
وَ اِنَّ الماءَ یُسَبِّحُ مادامَ جاریًا ۔"

ترجمہ: یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: تمام زندہ چیزیں یادِ الٰہی میں مصروف ہوتی ہیں بعض علماء فرماتے ہیں: تمام حیوانات و نباتات ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب تک درخت گیلا اور تر ہوتا ہے تو یادِ الٰہی میں سرگرم ہوتا ہے، خشک ہونے کے بعد نہیں۔ اور کچھ علماء فرماتے ہیں کہ مٹی کیچڑ میں تبدیل ہونے سے یادِ الٰہی میں محو ہوتی ہے۔ اسی طرح جب تک کپڑا نیا ہو، مولیٰ کی تسبیح میں رہتا ہے جب پرانا ہو جائے تو تسبیح کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اسی طرح پانی جب تک حرکت اور جریاں میں ہو تو خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور جب بند ہو جائے تو تسبیح چھوڑ دیتا ہے۔"

غرض ان اقوال اور آیاتِ الٰہی سے جمادات، نباتات اور حیوانات کا باشعور ہونا اور ایک گونہ حس و ادراک کرنا ثابت ہوتا ہے، اور جمادات کا کلام کرنا واضح اور ظاہر ہے اور جمادات کے اس حس و علم پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی واقف نہیں ہے۔ بعض حضرات نے تسبیح کی دو

قسمیں کی ہیں :

۱۔ تسبیح حالی ۲۔ تسبیح مقالی

اس طرح انہوں نے جمادات کے لئے تسبیح حالی ثابت کی؛

وَفِی کُلِّ شَیْئٍ لَہٗ اٰیَۃٌ ۔ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

"ہر چیز میں ایک علامت و نشانی پائی جاتی ہے جو اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔"

اسی طرح آیت : قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ : "کہ ہم نے حکم دیا آگ کو ابراہیمؑ کے لئے اس طرح ٹھنڈی ہو جاؤ کہ حضرت ابراہیم اس میں بسلامت رہیں۔"

آخر خطاب تو باشعور کو کیا جاتا ہے۔ اور بے شعور کو کیا خطاب کیا جائے ۔۔ اس سلسلے میں بعض حضرات نے اس آیت کی جو تاویلیں کی ہیں ہم اُن سے غافل اور بے خبر نہیں ہیں، مگر جب قرآن پر ایمان لانے کا سوال ہو تو پورے طور پر ایمان لانا چاہئے اور ناقص عقلیت کا غلام بھی بنے اور خدا تعالےٰ کی حاکمیت بھی تسلیم کرے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

شعر ....۔

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں
ایں محال است و جنوں است و جنوں

خیر! یہ تو تھیں جمادات کی باتیں ـــــ اب نباتات کے متعلق بھی سنئے کہ اہلِ شعور کے نزدیک ان میں بھی شعور ہے، نباتات میں ترقی یافتہ نوع کھجور کا درخت ہے اور کھجوروں میں بھی حیوانات کی طرح تذکیر و تانیث کا فرق اور امتیاز ہوتا ہے اور ان کے مذکّر و مؤنّث کے پیوند سے جس کو عربی میں تابیر کہتے ہیں کھجوریں بہت زیادہ پیدا ہوتی ہیں تو یہ بھی ان کے خاص قسّم کے حس و شعور پر دلالت کرتا ہے اور بعض درختوں کا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرضِ سلام کرنا صحیح احادیثِ مقدّسہ سے ثابت اور مُبرہن ہے۔ اصل میں ہم اس تمہید سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تمام مخلوقات کی فطرت میں اپنے اصل اور مرکز کی طرف رجوع کرنا اور اپنے مولائے کریم کی تلاش و جستجو کرنا مرکوز ہے اور جس میں یہ مقصد نہیں، وہ پتھروں اور دوسرے جمادات سے بھی بد سے بدتر ہے۔ موالیدِ ثلاثہ میں سے

حیوانات ہیں، اور حیوانات کی کامل ترین نوع انسان
ہے اور انسانوں میں جامع ترین افراد و شخصیّات
حضرات انبیاء علیٰ نبیّنا و علیہم الصّلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور
انبیاء کرامؑ میں سب سے برتر اور سب سے اکمل حضرت
سیّد المرسلین جناب محمّد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی
نبوّت و رسالت ہے۔ اس لئے آپؐ کی نبوّت عظمیٰ
کے مقابلہ میں آپؐ کی معراج اور ذاتِ باری تعالیٰ
کے دیدار سے بروح و جسد بہرہ اندوز ہونا کوئی بعید
اور خلافِ عقل بات نہیں ہے، کیونکہ تمام مخلوقات
میں اپنے خالق و مالک کی تلاش و جستجو اور اس کی قربت
و نزدیکی سے مشاہدۂ آفتابِ حقیقت اور جلوۂ عِلّۃُ
العِلَلُ رَبُّ الارباب حضرت اللہ جلّ شانہٗ حاصل
کرنا طبیعت میں موجزن ہے۔ اس مقام پہ پہنچکر ہم
قارئین رسالہ کی توجہ نبوّت و رسالت کی حقیقت کی
طرف پھر خصوصیّت کے ساتھ آفتابِ رسالت اور ماہتابِ
نبوّت محمّدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف ...

متوجّہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ واقعہ معراج النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسانی اور سہولت کے ساتھ سمجھ میں آجائے۔

مقدمہ دوم

اب دوسرا مقدمہ ملاحظہ ہو کہ نبوّت سے کیا مطلب ہے اور حضراتِ انبیاءؑ کا کیا مقام ہے؟

رسُول اور نبیؐ کی تعریف!

رسُول اور نبی کی تعریف شرح عقائدِ نسفی میں اس طرح کی گئی ہے:

"اَلرَّسُوْلُ اِنسَانٌ بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰے اِلَی الخَلقِ لِتَبلِیغِ الاَحکَامِ وَقَد یُشتَرَطُ فِیہِ الکِتَابُ بِخِلَافِ النَّبِیِّ فَاِنَّہٗ اَعَمُّ۔"

یعنی:۔ رسُول اور پیغمبر اُس نفسِ قدسیہ رکھنے والے انسان کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے پاس اپنے احکام و ہدایات پہنچانے کے لئے بھیجے اور بندگانِ الٰہی کو خدا تعالےٰ

کے احکام سے خبردار کرے اور اگر وہ نئی کتاب و نئی شریعت سے سرفراز کیا جائے تو وہ رَسُوْل کہلاتا ہے، اور نبی کے لئے نئی کتاب اور نئی شریعت سے موصوف و منعوت ہونا ضروری نہیں۔

معجزہ :۔ نبی کی نبوّت اور رسول کی رسالت ظاہری طور معجزہ سے ثابت ہوتی ہے۔ اور صاحبِ شرح عقائد نے معجزہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :۔

اَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ قُصِدَ بِهِ اِظْهَارُ صِدْقِ مَنْ ادَّعٰی اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔ (شرح عقائد نسفی ص۱۲)

یعنی :۔ معجزہ ان مافوق العادات کیفیات اور اعمال کا ایسے شخص سے صادر ہونے کا نام ہے جو ان کو اپنی رسالت و نبوّت کی صداقت اور سچائی ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا ہے۔ واضح رہے کہ قدیم محدثین معجزہ کی جگہ دلائل و علامات کے الفاظ استعمال کرتے تھے، اور ان علامات و دلائل کا اصل فاعل و خالق صرف اللہ جل شانہ ہوتا ہے، جو وہ اپنے مرسلین اور انبیاء سے بطورِ تصدیق صادر

کراتا ہے۔

اسی مضمون کو حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن الفاظ میں ادا کیا ہے:

" انبیاء کرام علیہم السّلام کی زندگی اگرچہ گونا گون واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاکدان کو اخلاقِ ذمیمہ کے خس و خاشاک سے پاک کر کے محاسنِ اخلاق کے گل و ریحان سے آراستہ کیا جائے تاکہ برکات آسمانی کا دامن کانٹوں سے اُلجھنے نہ پائے۔ اس مقدّس فرض کے ادا کرنے میں اگرچہ کبھی کبھی حضراتِ انبیاء علیہم السّلام کو مادّی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور مادّی آلات کے استعمال میں بھی ان کے جسمانی دست و بازو سے زیادہ اُن کے روحانی دست و بازو کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے

کہ قرآن مجید نے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے واقعاتِ
زندگی میں اُن دلائل و آیات کو نہایت اہمیت دی
ہے اور ان کے ذکر سے گویا انبیاءِ کرام علیہم السّلام
کے تمام حالاتِ زندگی کو سلسلۂ عِلل و اسباب
سے مربوط کیا جاتا ہے۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے خاص بندوں کو روحانی کمالات اور نفوسِ قدسیہ کے ساتھ آراستہ فرماکر اپنے بندوں کی طرف تعلیم، احکام اور ہدایات لیکر مبعوث فرماتا ہے اور اِس قسم کے حضرات کو ہم انبیاءؑ و مرسلین کہتے ہیں۔ انہیں براہِ راست ربُّ العالمین کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، اور ان میں ایسے روحانی کمالات و دلائل ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر بڑے بڑے فلاسفر اور عقل و خِرد کے مالک عاجز اور دنگ رہ جاتے ہیں۔ اور یہ حضرات ربّانی قرب و اصطفاء کے ساتھ بہرہ ور ہوتے ہیں، اور ہر پیغمبر نے بڑے بڑے معجزات و دلائل اور علاماتِ نبوّت ظاہر کئے خاصکر ہمارے رفیق و شفیق آقائے نامدار حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ہزاروں حیران کُن معجزے دِکھائے ۔ غرض نبوّت کی روحِ اعظم اذنِ الٰہی سے سارے عالمِ جسمانی پر حکمران ہو جاتی ہے ۔ روحانی دُنیا کے سُنن و اصول عالمِ جسمانی کے قوانین پر غالب آجاتے ہیں اس لئے وہ چشمِ زدن میں فرشِ زمین سے عرشِ بریں تک عروج کر جاتی ہے ، سمندر اُس کی ضرب سے تھم جاتا ہے ، چاند اُس کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے ، اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند خشک روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں ، اس کی انگلیوں سے پانی کی نہریں بہتی ہیں ، اس کے نفسِ پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں اور مُردے جی اُٹھتے ہیں ۔ وہ تنہا مُٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تباہ اور تہہ و بالا کرتا ہے ۔ کوہ و صحرا ، بحر و بر ، جاندار و بے جان بحکمِ الٰہی اُس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں ۔ مگر بایں ہمہ وہ بندہ اور بشر ہوتا ہے اس سے جو کچھ عجائباتِ قدرت ظاہر ہوتے ہیں وہ اُس کا نہیں بلکہ وہ اُس کے رَبّ کا فعل ہوتا ہے اور اُسی کی مشیّت اور قدرت سے پیغمبر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں ، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اس کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔۔۔ اس مختصر تقریر سے آپ کو نبوّت کی عظمت اور شان کا کچھ اندازہ ہوا ہوگا۔ پس جب کہ جمادات کی فطرت و طبیعت میں اپنے مرکز سے ملنے کی ہوس و آرزو ہی نہیں بلکہ وہ اس کے طلب اور وصال کی خاطر ہزاروں میلوں کی مسافت طے کر لیتے ہیں اور جبکہ نباتات میں اپنے مولیٰ کے ساتھ خاص اُنس و محبت ہے کہ ربّ کائنات کے پیغمبر کے سامنے جُھکتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ان کی فطرت میں عشق و محبّت اور پیوند کے ذریعہ بہت زیادہ کھجور اور میوے دیتے ہیں۔ اور جبکہ اُستنِ حنّانہ مظہرِ ربّانی اور جلالِ کبریائی حضرت رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جُدائی کی وجہ سے آہ و زاری میں آجائے اور جب کہ حیوانات صف باندھے اور پَر بچھائے ہوئے ربِّ کائنات کی تسبیح و تہلیل پورے خشوع و خضوع کے ساتھ کرلیں اور دیدارِ الٰہی کی آرزو کریں۔۔۔ تو اگر اشرفُ المخلوقات نوعِ انسانی میں سے کامل افراد انبیاء و مرسلین علیہم السّلام دیدارِ الٰہی ہی کے لئے بے تاب

ہو جائیں اور اپنے آقا کے دیکھنے کے لئے سفر کریں تو اس میں کونسا تعجب ہے ؟ کچھ بھی نہیں البتہ جس کے دیدار کے لئے یہ سفر کرتے ہیں وہ جہت، مکان و زمان کے قیود و حد بندی سے بہت اونچا اور بالا ہے۔ البتہ اس کی زیادہ تجلیاتِ ذاتیہ و صفاتیہ عالم علوی میں ہوتی ہیں۔ اس لئے آپ کا عالم علوی کی طرف وصالِ ربّانی کے حصول کے لئے تشریف لے جانا کبھی طوبیٰ کے سایہ میں بستر لگانا، کبھی سدرۃ المنتہیٰ کی حدود میں رفرف کی سواری پر قیام کرنا : مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ " کے نور سے قلبِ مبارک کو منوّر کرنا، کبھی مَا زَاغَ الْبَصَرُ " کے سرمہ سے اپنی چشمانِ مبارکہ کو روشن کرنا، کبھی رحمتِ الٰہی کے نزول کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولنا، اس میں کوئی تعجب نہیں اور پھر جب کہ ماشاء اللہ پیغمبر اس رفعت کا مالک ہو۔ کہ فرماتے ہیں : لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ " کہ مجھے اپنے مولیٰ کے ساتھ ایسے اوقات بھی ہوتے ہیں کہ جن میں قریب ترین فرشتوں اور عظیم الشان

پیغمبروں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور جبکہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس عظمت کا ہلو، کہ فرماتے ہیں:

"اَیُّکُمْ مِثْلِی یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ یَسْقِیْنِیْ۔ ؟ بھلا! تم میں میرا جیسا کون ہو سکتا ہے کہ مجھے روزوں (صومِ وصال) میں بھی اپنا خدا روحانی غذا اور شرابِ معرفت سے سرفراز فرماتا ہے اور جب اس بے پناہ قوّت کا مالک زمین پر رہ کر آسمان کی باتیں اپنے گوشِ حق نیوش سے سنتے ہیں: اَطّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَہَا اَنْ تَاَطَّ "آسمانوں میں ملائکہ کی تسبیح و تہلیل کا شور ہے اور حق ہے آسمان کے فرشتوں کو کہ وہ اسی طرح اپنے مولیٰ کی تسبیح و تہلیل میں رہیں۔ تو انہیں کمالات کی بنا پر اوّلین و آخرین میں سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم معراج اور دیدارِ الٰہی سے سرفراز کیے گئے۔ اسی طرح آپؐ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر معراج سے علیٰ حسب المراتب نوازے گئے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا خلیل الرّحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا معراج مختصر لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے :۔

سیّدنا حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام

جب نبوّت سے سرفراز ہوئے تو آپ سیرِ ملکوت، عجائباتِ عالمِ جبروت، مشاہدۂ جمال و جلالِ الٰہی سے نوازے جاتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ [۱]

ترجمہ:- اسی طرح ہم ابراہیم (علیہ السّلام) کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں تاکہ ان کا یقین اور زیادہ بڑھ جائے۔ یہ سیرِ ملکوت یعنی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا علم و مشاہدہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حق میں معراج ہے۔ یعنی اسرارِ الٰہی پر اطلاع پاتا اور حقائقِ اشیاء کا منکشف ہونا اور تمام مادّی حجابات کا اُٹھ جانا اور مُرتفع ہونا اور الٰہی عظمت کا مشاہدہ کرنا ہی معراج اور ایک سلیم الطبیعت انسان کے لئے منتہائے مقصد اور آخری آرزو ہوتی ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام بہرہ یاب

---

[۱]: واضح رہے کہ ملکوت میں ت زاید ہے۔ یہ مبالغہ کا معنی دیتا ہے۔ جیسے:- رہبوت، رغبوت، رحموت۔ ان میں بھی ت زاید ہے اور مبالغہ کا معنے دیتا ہے۔

اور ممتاز ہوئے۔ رہا یہ امر کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا معراج اور مشاہدۂ عالم ملکوت کس طرح اور کس جگہ کرائے گئے، تو اس کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے جیسا کہ تفاسیر میں لکھا ہے:- "حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو فلسطین میں ایک بلند پتھر پر کھڑا کیا گیا تو اسی پر حضرت ابراہیمؑ نے آسمانوں یعنی عالم بالا کی بلندیوں اور عرش اعلیٰ وتحت الثّریٰ تک کے تمام کائنات کا مشاہدہ کیا۔" اس سے زیادہ آپؑ کا معراج نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اس معراج کے متعلق حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض حضرات کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اس طرح روایت ہے:

لَمَّا رَأَى إِبْرَاهِيمُ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَبْصَرَ رَجُلًا عَلَى فَاحِشَةٍ فَدَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ ثُمَّ أَبْصَرَ آخَرَ فَدَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ ثُمَّ أَبْصَرَ آخَرَ فَأَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ تَبَارَكَ تَعَالَى يَا إِبْرَاهِيمُ أَنْتَ رَجُلٌ مُجَابُ الدَّعْوَةِ فَلَا تَدْعُوَنَّ عَلَى أَحَدٍ

مِنْ عِبَادِیْ فَاَنَا مِنْ عَبْدِیْ عَلٰی ثلٰث خِصَالٍ اَمَّا

اَنْ یَّتُوْبَ اِلَیَّ فَاتُوبَ عَلَیْہِ وَاَمَّا اَنْ اُخْرِجَ مِنْہُ

نَسَمَۃً تَعْبُدُنِیْ وَاَمَّا اَنْ یُبْعَثَ اِلَیَّ فَاِنْ شِئْتُ

عَفَوْتُ وَاِنْ شِئْتُ عَاقَبْتُ ،، (خازن)

ترجمہ :۔ جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے آسمانوں اور زمین کے عجائبات مشاہدہ فرمائے اور اسرار و مخفی چیزوں پر واقف ہوئے، تو آپ نے ایک شخص کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کے لئے بد دعا کی تو وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ دوسرے شخص کو بھی بدکاری اور گناہ کرتے ہوئے دیکھا تو اس کے لئے بھی بد دعا کی وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اور تیسرے شخص کو بھی بدکاری میں دیکھا، تو جوں ہی اس کے خلاف بد دعا کرنے کا ارادہ کیا تو حق تعالیٰ نے منع فرمایا۔ اور فرمایا: کہ" ابراہیم! تیری دعا قبول ہوتی ہے (تو میں کتنے گنہگاروں کو ہلاک کروں) مجھے اپنے گنہگار بندوں کے ساتھ تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے، کہ وہ گناہ کے بعد توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول کرتا ہوں ۔۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ خود توبہ نہ کرے لیکن

اس کی ذرّیت سے نیک اولاد پیدا کرتا ہوں جو میری عبادت و بندگی کرے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ نہ خود توبہ کرے اور نہ اس کی نسل سے اولاد صالح پیدا ہو جائے، بلکہ وہ مرنے کے بعد میرے دربار میں پہنچ جائے تو مجھے اختیار ہے کہ اس کی مغفرت کروں یا اُسے سزا دوں۔"

مفسّرین کو یہاں پر بھی اس بات پر اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا مشاہدۂ ملکوت السمٰوات و الارض ظاہری آنکھوں سے تھا یا دل کی آنکھوں سے؟ مگر یاد رکھئے کہ ظاہری بینائی سے باطنی اور قلبی بینائی ہزار درجہ بہتر اور افضل ہے۔ لہٰذا کسی شک میں نہ پڑیئے، کیونکہ انبیاءِ کرامؑ کے باطنی حواس اور نفوسِ قدسیّہ نہایت تیز فہم اور آفتاب سے زیادہ نور افشاں اور ضو فشاں ہوتے ہیں۔ اس لئے حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں: ع

- پنج حسّے ہست جُز ایں پنج حِس
  آں چو زرّ سُرخ و ایں حس ہا چو مِس

" ظاہری حواسِ خمسہ کے سِوا اور بھی باطنی پانچ حواس ہیں،

وہ خالص سونے کے ہیں جبکہ ظاہری حواس مسِ خام اور
تانبے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

- حِسِّ ابدال قوّتِ ظلمت می خورد
  حِسِّ جاں از آفتابے می برُد

جسمانی اور مادّی حواس ظلمت سے پیدا ہوتے ہیں جبکہ
باطنی حواس آفتاب معرفت سے سیراب ہوتے ہیں۔

- ہرکہ از حِسِّ خُدا دید آیتے
  در برحق داشت بہتر طاعتے

اور جس نے حواسِ باطنی سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی
مشاہدہ کی تو وہ بہتر طاعت اور عبادت سے بہرہ ور ہوا۔

- گر بدیدے حِسِّ حیوان شاہ را
  پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

اگر حیوان کے حواس بادشاہ کی بادشاہی سمجھتے تو
گائے، گدھا بھی اللہ کو مشاہدہ کرتے۔

- گر نبودے حِسِّ دیگر مر ترا
  جزُ حِسِّ حیوان زبیرونِ ہوا

اگر تم کو ظاہری حواس کے علاوہ باطنی حواس نہ ہوتے تو تمہارے اور دوسرے حیوان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔

- پس بنی آدم مکرّم کے بُدے
  کے بحسِّ مشترک محروم شدے

اور اگر انسان میں صرف یہی ظاہری پانچ حواس ہوتے جو حیوانات میں پائے جاتے ہیں، تو اس حِسّ مشترک کی وجہ سے کسی طرح وہ معزز، مکرّم اور ممتاز ہوتا۔ ٭

لِهٰذا، حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کا حواسِ باطنی سے اللہ تعالیٰ اور اس کی تجلّیات کو مشاہدہ کرنا ظاہری حواس سے کہیں زیادہ اشرف و افضل ہے۔ (فاحفظہٗ)

حضرت موسیٰؑ کی معراج

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ السّلام نے جب نبوّت کا بارِ گراں اٹھایا، تبلیغ کے فرائض انجام دیے، دعوتِ الی اللہ کے سلسلے میں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ تو آپؑ کو وادیٔ مقدّس (طویٰ) میں اللہ تعالےٰ نے اپنے معراج سے سرفراز فرمایا جس کی حقیقت صِرف اتنی تھی کہ اپنے ایک خاص نورِ تجلّی کے پَرتَو سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہرہ ور بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ خصوصیّت کے ساتھ آپ کے اس معراج کا ذِکر سورۂ طٰہٰ کی اِن آیاتِ مقدسہ میں فرمایا ہے:

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ

الْمُقَدَّسِ طُوًى وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ

الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ

اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ۔ فَلَا

یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

فَتَرْدٰی ۔ ⁂

ترجمہ :۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! کیا آپ کو موسیٰ علیہ السّلام کے واقعۂ عجیبہ کی کچھ خبر ہے جب وہ مدین سے مصر کی طرف اپنی گھر والی صفورا کے ہمراہ آرہے تھے تو یکایک سخت سردی محسوس کی تو دور سے آگ نظر آئی، تو اپنی بیوی سے فرمایا : کہ تم اسی جگہ ٹھہری رہو کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں جاتا ہوں کہ ممکن ہے اس سے ایک چنگارا لاؤں یا آگ پر کسی راہ بتلانے والے کو پاؤں، اور اس سے راستہ دریافت کروں ۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام آگ کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سفید آگ (خالص نور) سبز اور ہرے بھرے درخت پر محیط اور

چھائی ہوئی ہے، پر درخت جلتا نہیں۔ یہ درخت عُناب یا عوسّیج کا تھا اور وہاں کوئی انسان نظر نہ آیا تو بہت حیران ہوئے اور تعجّب میں پڑ گئے کہ آگ اس درخت پہ چھائی ہوئی ہے اور درخت جلتا نہیں اور نہ آگ سلگانے والا نظر آتا ہے۔ اسی تعجّب میں تھے کہ قدرت کی طرف سے آواز آئی : یہ آگ نہیں بلکہ میں تیرا پروردگار ہوں، اور اس درخت پر اپنا کچھ جلوۂ آفتابِ حقیقت ڈالے ہوئے ہوں۔ لہذا اے موسیٰ ! اس مقدّس مقام کے احترام اور اس نعمتِ عظمیٰ (دیدارِ الٰہی) کے شکرانہ کے لئے نرمی اور تواضع اختیار کر کے اپنے پاؤں سے اپنے جوتے باہر نکال لئے —

اے آگ ڈھونڈنے والے ! میری رحمت کی طرف تو دیکھ کہ تو مانگتا ہے آگ، لو میں نے آپ کو اپنی رسالت اور پیغمبری کے لئے چُنا اور منتخب کیا۔ لہذا میری رحمت بھرے پیغامِ وحی کو اچھی طرح سُنئے کہ میں ہی آپ کا پروردگار ہوں، میرے سوا کوئی بھی لائق عبادت وبندگی نہیں۔ پس میری ہی عبادت کیجئے اور خاصکر میری یاد کے لئے نماز قائم رکھئے

بے شک قیامت آنے والی ہے، میں اُس کے ظاہر ہونے کا قطعی وقت اپنے بندوں سے چھپانا چاہتا ہوں اس دن ہر ایک جی کو اس کے کاموں کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ لہذا آپ کو قیامت پر ایمان لانے سے وہ لوگ نہ روکیں یعنے ان لوگوں کے کہنے میں نہ آئیں جو قیامت کے واقع ہونے کا یقین نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی اطاعت و تابعداری کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ تو اس صورت میں تو ہلاک ہو جائے گا۔ مراد اس سے منکرین قیامت ہیں۔

پس یہ ہے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج کی حقیقت کہ دیدارِ الٰہی کی ایک جھلک سے بے ہوش ہوئے۔

معراجِ محمّدی
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اب آپ معراجِ محمّدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خلاصہ اور جوہر ملاحظہ فرمائیے :۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی معراج کی صحیح کیفیّت بیان کرنا اور اس سے متعلق جملہ واقعات قلم بند کرنا کس کی طاقت اور کس کی مجال ہے ؟ اور اگر آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اسرا، ومعراج کا صحیح اور درست اندازہ کرنا مقصود ہے تو آپ پہلے فیلسوف اسلام ڈاکٹر سر محمّد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے درجِ ذیل ابیات پر غور کیجئے فرماتے ہیں : ع

از شعور است ایں کہ گوئی نزد و دُور

چیست معراج انقلاب اندر شعور

انقلاب اندر انقلاب از جذب و شوق

وارہاند جذب و شوق از تحت و فوق

ایں بدن با جانِ ما انباز نیست
مشتِ خاکے مانع پرواز نیست

باز گفتم پیش رفتن چوں توان
کوہِ خاکِ آب را گفتن چساں

امر و خالق بروں از امر و خلق
ما ز مشتِ روزگاران خستہ خلق

گفت اگر سلطانِ ترا آید بدست
می تواں افلاک را از ہم شکست

اس جگہ دو لفظ ہیں ایک اِسراء اور دوسرا معراج ہے۔ اِسراء، بابِ افعال کا مصدر ہے۔ سرٰی، یسری، سُریٰ سے ماخوذ ہے جس کے معنی شب روی اور رات میں چلنے کے آتے ہیں۔ محدّثین کرام کی اصطلاح میں اِسراء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کے اُس حصّہ سیر و سیاحت کو کہتے ہیں جو آپؐ بروح و جسدِ مقدّس عنصری (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت جبرئیل امین علیہ السّلام کی ہمراہی

ہیں مکۂ مکرمہ سے قبلۂ اوّل مسجدِ اقصٰے کی طرف بذریعہ بُراق کرائے گئے۔ اس کا ثبوت سورۂ اِسراء کی پہلی ہی آیتِ مبارکہ سے ملتا ہے؛ ارشاد ہوتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

ترجمہ:- "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰے تک کہ جس کے اردگرد کو ہم نے برکت دی ہے، سیر کرائی۔ تاکہ ہم اُسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ اللہ سُننے اور دیکھنے والا ہے۔"

دوسرا لفظ **مِعْرَاج** ہے۔ یہ اسمِ آلہ ہے عروج سے نکلا ہے جس کے معنے سیڑھی اور زینہ کے آتے ہیں۔ یہاں پر مراد وہ مخصوص زینہ ہے جس کے ذریعہ آپ نے مسجدِ اقصٰے سے عالمِ بالا کی طرف پرواز فرمائی، پھر مقامِ قابَ قوسینِ اَوْ اَدْنٰی میں نزولِ اجلال فرما کر وہ امتیاز (دیدارِ الٰہی)

حاصل کیا جو اوّلین و آخرین میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کو عطا ہوا ہے۔ حضرت رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس حصّۂ سفر کو معراج کہتے ہیں جس کا ثبوت نہ صرف قرآنِ کریم کی آیاتِ بیّنات سے بلکہ احادیثِ متواترہ سے اور اجماعِ اُمّت سے بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ آیت :

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا ..... الخ اور سورۂ والنجم کی آیات پر غور کرنے سے متحقّق اور مُبرہن ہو جاتا ہے جس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔ غرض اِسراء و معراج دونوں بالاتفاق ایک ہی رات میں ظہور پذیر ہوئے۔

اِسراء کی تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ فرمائیے :

علی التّحقیق ہجرت سے ایک سال پہلے ستائیسویں (۲۷) رجب المرجب کی رات میں یہ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے کہ صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دن میں تبلیغ کرتے ہوئے کچھ تھکے ہوئے کافروں کے ہاتھوں اور ان کی زبانوں سے ناقابلِ بیان ظلم و ستم سہے ہوئے، حطیمِ کعبہ یا اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ میں آرام فرمائے ہوئے، "آرام بھی کیا کہ

آپ کی نرگس نما دیدۂ خدا بیں خوابِ استراحت میں، قلبِ مبارک خطیرۂ مقدس کی طرف متوجہ، گناہگار اُمّتیوں کی طرف گوشۂ التفات فرمائے ہوئے کہ ان کے لئے شفاعت و نجات کے طالب بنے ہوئے، جیسا کہ کہا گیا : ع

بصر در خواب و دل در استقامت
زمالش اُمّتی گو تا قیامت

یعنی، چشمانِ مبارک خواب استراحت میں، دلِ اقدس بارگاہِ الٰہی کی طرف پوری طرح استقامت کے ساتھ متوجہ اور زبانِ وحی ترجمان سے قیامت تک اپنے اُمّتیوں کی شفاعت کرنے والے اسی اثنا میں حاملِ وحی، امینِ مکین حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو ربِ جلیل کا یہ حکمِ مُبرم ملا کہ جبرئیل! آج رات اپنے معتکف اور زاویۂ طاعت و استکانت کچھ دیر کے لئے چھوڑ دے، اپنی تسبیح وتہلیل مختصر وقت کے لئے بند کر، اپنے مور جیسے فرد کر چمکنے والے پرّوں، لعل و جوہر سے جُڑے ہوئے بازوؤں کو اچھی طرح زینت بخش، اپنی کمر پر چاکری اور خدمت گزاری کی کمر بند کس اور ہمارے فرمانِ عالی کا تاج

اپنے سر پر رکھ۔

میکائیلؑ سے کہو کہ وہ بھی کچھ وقفہ کے لئے بندوں کے رزقوں کے ناپ تول کے پیمانے اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے۔ اسرافیلؑ کو خبر دو کہ چند لمحات کے لئے نفخِ صور سے دستبردار ہو جائے۔ عزرائیلؑ کو حکمِ ناطق سُناؤ کہ معمولی وقت کے لئے قبضِ ارواح سے رُکا رہے، نور و عطا کے فرشتوں کو حکم دو کہ وہ دارالبقائے کے نقارہ کی آواز بلند کریں، رضوانِ جنّت کو بتا دے کہ وہ بہشتِ بریں کے طبقات خوب سجائے اور انہیں اچھی طرح آراستہ کرے۔ داروغۂ جہنّم کو تنبیہ کرو کہ وہ فوراً دوزخ کے درکات کو مقفل بنائے۔

سمندروں کو ہمارے اس حکم سے اطلاع دو کہ وہ اپنا تموّج اور اضطراب چھوڑ کر قرار اور سکون اختیار کریں۔ ہوائیں بھی اپنی حرکتیں بند کریں۔ ہاں افلاک بھی کچھ وقفہ کے لئے سیر و سلوک سے آرام کریں، عرشِ مجید کے فرشتے آمد و رفت چھوڑ کر ذرا آرام لیں۔ خلدِ بریں کی حورِ عین سے کہہ دو کہ وہ جنّتوں کو عود و خوشبو کی دھنی دیں، حاملینِ عرشِ معلّٰے کے فرشتوں

سے کہہ دو کہ فلک اطلس کو مقدّس اور نظیف سے نظیف تر لباس پہنائیں، کرسی اپنے سر پر تاجِ قدسی رکھ دے۔ پھر آدمؑ و نوحؑ، ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو مژدۂ جاں فزاء سناؤ اور ان کی ارواحِ مقدسہ کو تسنیم جاں فرحت نشان سے معطّر بنائیں۔ اے جبرئیلؑ! پھر جنّت میں جاؤ۔ چالیس ہزار برق رفتار براقوں میں سے ایک براق اپنے ساتھ لیکر عالمِ سفلی کی جانب اپنا رُخ کر۔ جبرئیل امینؑ جنّت کے چالیس ہزار براقوں کو ایک ایک کر کے دیکھتے ہیں۔ ایک کونے میں ایک براق کو اندوہگین اور غمگین پاتے ہیں۔ اس سے غم و اندوہ کی وجہ پوچھ لیتے ہیں، تو کہتا ہے کہ ایک ہزار سال سے نام پاک محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنا ہے، آپؐ ہی کے عشق و محبّت میں پگھل رہا ہوں۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السّلام اُن کو اپنے ہمراہ لے آتے ہیں کہ آج رات مشرق و مغرب جنوب و شمال کے قبرستانوں سے عذاب ختم کیا جائے۔ اے جبرئیل! زمین پر پہنچ کر شام کی طرف لپک جاؤ، شام سے یثرب کی

طرف وہاں حرا کی جانب، وہاں سے قبیلۂ قحطان کی طرف قحطان سے کنانہ، اور کنانہ سے قبیلۂ مضر اور مضر سے قریش کی طرف، قریش سے بنی ہاشم اور بنو ہاشم سے عبدالمطلب کے گھر میں نیاز حاصل کر، وہاں ایک سرو قد جوان، چاند سے بڑھ کر نورِ رخسار، عطارد جیسے حسن منظر کا مالک محزون و مغموم پورے ادب و احترام سے آپ کے بالین مبارک کے نزدیک عرض کرلے۔

اِمشب شب قدر نیست بشتاب ❊ قدر شب قدر خویش بشتاب
آرائش سرمدی اِمشب ❊ معراج محمدی امشب
اے دولت آں شبی کہ چوں روز ❊ گشت از قدم تو عالم افروز[۱]

---

[۱]: دوستو! علامہ کاشفی کے اس بیان کو مبالغہ آمیزی پر محمول نہ کیجیے بلکہ وہ اس تفصیل سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسراء و معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ نے عالمِ مادی اور خواص طبعی اپنی قوت و طاقت سے معطل فرمائے یہاں تک کہ اپنے محبوب کو زمین و آسمان کی سیر اور اپنے دیدار سے بہرہ ور کیا۔ یہی علامہ اقبالؒ کے اس شعر کا بھی مطلب ہے، کہ فرماتے ہیں۔ ؎

گفت اگر سلطان نزا آید بدست ❊ می تواں افلاک را از ہم شکست

ہزاروں اعتراضات کے جوابات اسی شعر میں مکنون اور پوشیدہ ہیں۔ "لو کانوا یعلمون"۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (دوسرے صفحہ

اسی مضمون کو حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مختصر کر کے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

"ایک نئے دَور کا آغاز ہونے والا تھا، تو وہ شبِ مبارک آئی، اس شبِ مبارک میں وہ ساعتِ ہمایوں آئی جو دیوانِ قضا میں سَرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرِ ملکوت کے لئے مقرر تھی۔ اور جس میں پیش گاہِ ربّانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رضوانِ جنّت کو حکم ہوا کہ آج مہمانِ سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہدِ عالم یہاں مہمان بن کر آئے گا، رُوح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سُبک خرام ہے اور جو خِطّۂ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے .... اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رویت و سماعت، تخاطب و کلام کی تمام طبعی پابندیاں اُٹھائی جائیں۔"

(حاشیہ ص گذشتہ سے آگے) ... لکھتے ہیں: واقعۂ معراج چونکہ نہایت اہم، ہماری مادّی کائنات سے ماوریٰ اور قیاس، استنباط اور عقلِ انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس باب میں صحیح و خالص روائتیں لی جائیں۔ ۔پہ

بہرکیف حضرت سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
اس عظیم مقصد (حضرت جبرئیل امین علیہ السّلام کی تشریف آوری)
کو اپنے کلماتِ مقدّسہ میں اس طرح فرمایا ہے :

"عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ
صلی اللہ علیہ والہ وسلم قَالَ فُرِّجَ عَنْ سقفِ
بَیْتِی وَ انا بمکّۃ فنزل جبرئیلُ ففرّج صدری
ثُمَّ غَسَلَہٗ بماءِ زمزم ثُمَّ جاءَ بطستٍ من ذھبٍ
مُمتلیءٍ حِکْمَۃً وَ ایمانًا فافرغہٗ فی صدری
ثُمَّ اطبقہٗ .... " الخ

ترجمہ:- "کہ حضرت جبرئیلِ امین علیہ السّلام دربارِ عالی میں
آئے اسطرح کہ آپؐ کے مبارک کاشانہ کی چھت کھل گئی جبرئیل
امین کے ساتھ اور بھی چند فرشتے تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو چاہِ زمزم کے پاس لے گئے اور وہاں آپؐ کے سینۂ
بے کینہ کو چاک کیا اور قلبِ مبارک کو باہر نکال کر آبِ زمزم
سے دھویا۔ اس کے بعد ایک طشت ایمان و حکمت سے
معمور لایا گیا، جبرئیلِ امینؑ نے اس طشت سے ایمان و حکمت

کے خزانے کو لیکر آپ کے سینۂ بے کینہ میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا اس طرح ایک جسدِ عنصری اور عالمِ سفلی میں پیدا ہوئے۔ مخلوق کو عالمِ بالا کی طرف پرواز کرنے سے جو موانع و عوائق پیش آتے ہیں، حضرت جبرئیل امینؑ نے پہلے ہی ان موانع کو دور کیا اور جسدِ عنصری کو اتنا لطیف کر دیا کہ وہ لطافت و نزاہت میں روح کے مشابہ ہو گیا۔ اس طرح جبرئیل امینؑ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آسمانوں کی طرف پرواز کرانے کے لئے اپنی خدمت بجا لائی۔ سینۂ مبارک حکمت و ایمان سے بھرنے کے بعد آپؐ کے لئے جنّت کی مخصوص سواری بُراق جو دراز گوش سے بڑا اور خچر سے چھوٹا، رنگ کا سفید تھا، اس کی تیز رفتاری اس قدر زیادہ کہ اس کا ہر قدم اس کی نگاہ کے آخری حد پر پڑ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس میں تشریف لے آئے اور بُراق کو اس جگہ باندھا جہاں پر انبیائے کرامؑ اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجدِ اقصٰے کے اندر قدومِ میمنت لزوم فرمایا۔ انبیاءِ کرامؑ کی ارواحِ مقدسہ حاضر تھیں۔ نمازِ شکرانہ پڑھنے کا ارادہ ہوا

تو سوال آیا کہ اس مقدس محفل اور اس روحانی منبع و سرچشمہ میں امامت و پیشوائی کے فرائض کون انجام دے تو حضرت جبرئیل امین نے آپ کے دستِ گرامی کو پکڑ کر محراب میں امامت و پیشوائی کے لئے آگے کیا کہ مسئلہ یہی ہے : اَلسُّلْطَانُ اِذَا حَضَرَ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْاِمَامَۃِ " کہ جب بادشاہِ اسلام حاضر ہو تو امامت کا حقدار وہی ہوتا ہے پھر جب کہ بادشاہوں کا بادشاہ تاجداروں کا تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، مطلعِ : سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی ، مہبطِ اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ، حاملِ عِلم دَنٰی فَتَدَلّٰی ، والیٔ حرم ، فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ، طبیبِ حاذق بیمارانِ گناہ ، انیسِ جلیس بیدلانِ سحر گاہ ، حبیبِ مقربان لی مع اللہ ، معلمِ تعلیم کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ، مکرم بتکریم وَکَفٰی بِاللہِ شَہِیْدًا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سامنے ہوں تو آپؐ کے ہوتے ہوئے کس کی مجال اور کس کی طاقت ہے کہ وہ آپؐ کے سامنے امامت کرے۔ اس لئے اس نمازِ شکرانہ کی امامت و پیشوائی آپ ہی نے فرمائی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ نماز کے بعد بارگاہِ ایزدی

میں شکر و ثنا بجالایا۔ (یہاں متعدّد اقوال ہیں)
سُبحَانَ اللہ ! آپ کی شانِ عالیشان کے کیا کہنے صَلّی اللہ علیہ وَ آلہٖ وسلّم ؛ مثنوی

شاہیست کز احوال گدا آگاہ است
در روزِ قیامت او شفاعت خواہ است
در وصفِ کمالِ او چگویم کورا
ایں بس کہ محمّد رسول اللہ است

یعنے، ہمارے پیغمبر رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے عظیم القدر بادشاہ ہیں جو بحکم الٰہی اس فقیر کی پریشان حالی پر خوب واقف ہیں۔ قیامت کے دِن اپنی شفاعت سے مجھ ذرّہ بے مقدار پریشان روزگار کو انشاءاللہ ضرور یاد فرمائیں گے ۔ میں بے علم و بے بِضاعت آپؐ کی تعریف و توصیف کن الفاظ میں کروں ۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے بارے میں خود بزبانِ قدرت اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ آپ اپنے پروردگار کریم کے پیغمبر سیّد الاوّلین والآخرین ہیں۔ صلّی اللہ علیہٖ وَ آلہٖ وسلّم

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجدِ اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم السّلام کی جو امامت و پیشوائی فرمائی اور اس کے بعد آسمانوں کی سیر یکے بعد دیگرے فرمائی، یہ ہمارے لئے ایسا فخر و سامانِ شادیانہ ہے جتنا بھی ہم اس عظیم منظر کو دُہراتے رہیں گے اُسی قدر اس کے ذکر و بیان سے ہمارے دماغ معطّر اور ہمارے دل منوّر ہوں گے۔

علامہ حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ قصیدۂ بردہ نے مسجدِ اقصیٰ کے اِس منظر اور صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آسمانوں کی طرف پرواز کرنے کو ان اشعارِ آبدار میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

تبرکاً چند اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلاً اِلٰی حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

(اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ نے ایک شب حرمِ کعبہ سے بیت المقدس تک اس طرح سیر فرمائی ہے جس طرح اندھیری رات میں چاند حرکت میں ہوتا ہے

اور دُور سے دیکھنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ اپنی جگہ قرار کئے ہوئے ہے۔ حالانکہ وہ بہت دور پہنچا ہوا ہوتا ہے۔)

۲۔ وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمٖ

(اور آنجناب ؐ نے ترقی کرتے ہوئے ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف تشریف لے جاتے ہوئے رات گذاری یہاں تک کہ آپ ؐ قابَ قوسین کی اس منزل تک پہنچے کہ جو کسی کے وہم و گمان اور علم شعور میں نہیں آسکتا اور نہ کوئی اسے طلب کرسکتا ہے۔)

۳۔ وَقَدَّمَتْکَ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ بِھَا
وَالرُّسُلِ تَقْدِیْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰی خَدَمٖ

(اسی مرتبۂ عالیہ کی وجہ سے تمام انبیاء و مرسلین نے آپ ؐ کو مسجد اقصٰے میں اِس طرح اپنا امام بنایا ــــــ جیسے خادم اپنے مخدومِ محترم کو آگے کرتا ہے۔)

۴۔ وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِیْ مَوْکَبٍ کُنْتَ فِیْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

(اور آپ ساتوں آسمانوں کے طبقات کو شگاف کرتے اور چیرتے گئے، ایسے جلوس کی شکل میں جس میں آپ ہی صاحبِ عَلَم تھے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۵۔ حَتّٰی اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاْوًا لِمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًی لِمُسْتَنِمِ

(آپ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تک ترقی فرمائی کہ اب آپ نے کسی سبقت کرنے والے اور عالم بالا کی طرف پرواز کرنے کے لیے قرب ونزدیکی کی کوئی منزل باقی نہ چھوڑی۔)

۶۔ کَیْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَیِّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُیُوْنِ وَسِرٍّ اَیِّ مُکْتَتِمِ

(آپ اس قدر بارگاہِ الٰہی کے قرب ونزدیکی اور رازہائے سربستہ سے بہرہ ور ہوئے جو باقی دنیا والوں کے فہم و اِدراک اور عقل و دانش سے بہت

زیادہ بالاتر اور برتر ہیں۔)

۷۔ فَحُزْتَ کُلَّ فِخَارٍ غَیْرَ مُشْتَرِکٍ
وَجُزْتَ کُلَّ مَقَامٍ غَیْرَ مُزْدَحَمٍ

(پس آپؐ نے باعثِ صد افتخار کمالات کو حاصل کیا جن میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر اس مقام کو طے فرمایا جس کی مُزاحمت کا کوئی اِمکان ہی نہیں۔)

۸۔ وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا أُولِیتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّ إِدْرَاکُ مَا أُولِیتَ مِنْ نِعَمٍ

(جو مراتب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قدرت کی طرف سے عطا کئے گئے ہیں، وہ بہت ہی بلند و بالا ہیں جو نعمتیں آپؐ کو عطا ہوئیں ان کا پانا کسی دوسرے کے اِمکان اور طاقت میں نہیں۔)

۹۔ بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَایَۃِ رُکْنًا غَیْرَ مُنْہَدِمٍ

(اے مسلمان بھائیو! اور محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے سعادت مندامتیو! حضورِ اقدسؐ کی معراج میں ہمارے لئے بشارتِ عظمٰی اور پیغامِ مسرت کا ایک ایسا رکن ہے جس کو مادی دنیا کا فہم وشعور بھی پامال کرنے سے قاصر ہے۔) ۔۔۔

مقدمہ الذکر حدیثِ حضرتِ ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہ الفاظِ گرامی بھی ہیں کہ حضرت صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا:

فَجَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ ، کہ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے مجھے شراب کا ایک پیالہ اور دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا تو میں نے جامِ ناب کو مسترد کر کے دودھ کا پیالہ پسند کیا یہ دیکھ کر حضرت جبرئیلؑ بولے: اِخْتَرْتَ الْفِطْرَۃَ کہ آپ نے فطرتِ سلیمہ اور طبیعتِ مستقیم کی اصلیت پائی کہ اگر آپؐ جامِ ناب اختیار فرماتے تو آپؐ کی امت مجموعی طور پر گمراہی کے راستہ پر گامزن ہو جاتی۔

ہائے افسوس! آج یہی امتِ مرحومہ شراب وکباب

لہو ولعب اور دوسری اخلاقی بیماریوں میں گرفتار بلا ہو چکی ہے
ہائے، ہمارے رہبر کہاں! واعظ کہاں؟ شیخ کہاں؟ اور کون
ہے جو خالص دینِ فطرت کی طرف ان بھٹکے ہوئے مسلمانوں
کو دعوت دے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ نماز کے بعد پیغمبروں نے آپ صلعم کو
السَّلَامُ عَلَيْكَ یا اَوَّلُ اور بعض حضرات نے السَّلَامُ
عَلَيْكَ یا اٰخِرُ اور بعض نے السَّلَامُ عَلَيْكَ یا حَاشِرُ
سے خطاب و سلام کیا۔ تو اس میں تعجب اور ضعف کی
کوئی وجہ نہیں، بلکہ یا اَوَّلُ حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ
نُوْرِیْ؛ یا اٰخِرُ آیت کریمہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ
خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور یا حَاشِرُ[1] اس حدیث کی طرف
اشارہ ہے جس میں یہ آیا ہے: کہ قیامت کے دن تمام اوّلین
و آخرین آپ صلعم ہی کے عَلَم مبارک کے تلے جمع ہونگے۔

اس موقع پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
عالمِ علوی اور فضائے سماوی کی طرف پرواز کرنے سے

---

[1] حَاشِرُ: جمع کرنے والے کو کہتے ہیں۔

پہلے ہم اس سلسلے میں مشہور مستشرق کونسٹان کا قول بحوالہ حاشیہ زاد المعاد پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کرام کے دلوں کا ایمان و ایقان بڑھ جائے۔ وہ لکھتا ہے:

"قوّتِ جاذبہ کا اثر جسے "نیوٹن" نے نکالا ہے ساری دُنیا میں فوراً ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح قوّتِ جاذبہ کے ردِّ عمل کی سرعت بھی آتی ہے۔ اسلامی مؤرخوں کی روایت کے مطابق حضرتِ محمّد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسمانی سفر کی رفتار نور کی رفتار سے بھی بڑی ہوئی ہے۔ پس اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیداری کی حالت میں اپنی روح کے ساتھ آسمانوں پر پرواز کی ہے تو کوئی طبیعیاتی مسئلہ (اعتراض) پیدا نہیں ہوتا، لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ آپ نے خاکی جسم کے ساتھ آسمانوں پر پرواز کی ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جسم انسانی تیز رفتاری کو جو تین ہزار کلومیٹر فی سکنڈ ہے، برداشت کر سکتا ہے؟ لیکن چونکہ میں مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا احترام کرتا ہوں اس لئے مذہبی نظر سے

قبول کرتا ہوں ۔ ... الخ (پیغمبرِ اسلام ص ۱۴۱)

مسلمانو! آپ کو معلوم ہے کہ "کونسٹان" مستشرق غیر مسلم عالم تھا، وہ پھر بھی صراحت کے ساتھ معراجِ جسمانی کے انکار کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لیکن عصرِ حاضر کے بعض نام نہاد بے علم مسلمان معراج جیسے امتیازی معجزہ کا کھلے بندوں انکار کرتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَلْبَاب "

اور کونسٹان کو اگر یہ بات کوئی سمجھاتا کہ صاحبِ معراج حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسمِ اقدس روح سے بھی لطیف تر تھا یا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کے جسمِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اتنا لطیف بنایا کہ روح کے ساتھ برابر برابر شریک اور ہمراز بنایا، تو اس صورت میں بھی طبیعات کا کوئی سوال واعتراض وارد ہونے کا امکان ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ع

تو جانِ پاکی سر بسر نے آب و خاک اے نازنین
واللہ زجان ہم پاکتر روحی فداک اے نازنین
(صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم)

بہر حال عالم علوی کی طرف پرواز کرنے کے متعلق خود صاحبِ معراج حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

فانطلق بی جبرئیل علیہ السّلام حتیٰ أتی السماءَ الدنیا فاستفتحَ فقیل مَن ھذا قال جبرئیل قیل ومَن مَعکَ قالَ محمّدٌ قیل وقد ارسِلَ الیہِ قال نعم قیل مرحبًا بہٖ فنعمَ المجییُٔ جاءَ ففُتحَ فلمّا خلصتُ فاذا فیھا آدمُ فقال ھٰذا ابوکَ آدمُ فسلِّم علیہ فسلّمتُ علیہ فردَّ السّلامَ ثمّ قال مرحبًا بالابنِ الصّالح والنّبی الصّالح ثمّ صَعِدَ بی حتیٰ أَتیَ السّماءَ الثّانیۃَ فاستفتحَ قیل مَنْ ھذا؟ قالَ جبرئیلُ: قیلَ ومَنْ معکَ؟ قال محمّدٌ، قیل وقد اُرسل الیہِ قال نعم۔ قیلَ مرحبًا بہٖ فنِعم المجییُٔ جاءَ ففتح فلمّا خلصتُ فاذا بیحییٰ وعیسیٰ وھما ابنا الخالۃ قال ھٰذا یحییٰ وعیسیٰ فسلِّم علیھما فسلّمتُ فردّا ثمّ قالا مرحبًا بالاخ الصالح والنّبی الصّالح ثمّ صَعِدَ بی اِلی السّماءِ

الثالثة فاستفتح قيل من هذا؟ قال جبريل قيل
ومن معك؟ قال محمد قيل وقد أرسل اليه
قال نعم ـ قيل مرحبا به فنعم المجيئ جاء ففتح
فلما خلصت إذا يوسف قال هذا يوسف فسلم
عليه فسلمت عليه فرد ثم قال مرحبا بالاخ ..
الصالح والنبي الصالح ثم صعد بي حتى اتى السماء
الرابعة فاستفتح قيل من هذا قال جبريل قيل ومن
معك؟ قال محمد قيل وقد أرسل اليه قال نعم
قيل مرحبا به فنعم المجيئ جاء ففتح فلما
خلصت فاذا ادريس قال هذا ادريس فسلم
فسلمت عليه فرد ثم قال مرحبا بالاخ الصالح
والنبي الصالح ثم صعد بي حتى اتى السماء
الخامسة فاستفتح قيل من هذا قال جبريل
قيل ومن معك قال محمد قيل وقد أرسل اليه
قال نعم قيل مرحبا فنعم المجيئ جاء فلما
خلصت فاذا هرون قال هذا هرون فسلم

عليه فسلمتُ عليه فردَّ ثمَّ قال مرحبًا بالاخ
الصّالح والنّبی الصالح ثُمَّ صعِدَبی حتّٰی اتی
السّماءَ السادسۃَ فاستفتحَ قیل مَنْ هٰذا قال جبرئیل
قیل ومَنْ معك قال محمّدٌ قیل وقد اُرسِلَ الیه
قال نعَمْ قال مرحبًا به فنعم المجیئُ جاءَ فلمّا
خلصتُ فاذا موسٰی فسلم علیه فسلّمتُ علیه فردَّ
ثمَّ قالَ مرحبًا بالاخ الصّالح والنّبی الصّالح فلمّا
تجاوزتُ بَکٰی قیلَ له مَا یُبکیك قال أبکی لِاَنَّ
غُلامًا بُعِثَ بعدی یدخل الجنّۃَ مِن اُمّتِه اکثرُ
ممّا یدخِلهَا مِنْ أُمّتی ثمّ صَعِدَ بی الی السّماءِ
السابعۃ فاستفتحَ جبرئیلُ قیلَ مَنْ هٰذا قال
جبرئیل قیل ومن معكَ قال محمّدٌ قیل وقد
اُرسل الیه قالَ نعم قیل مرحبًا به فنعم المجیئُ
جاءَ فلمّا خلصتُ فاذا ابراهیم قال هٰذا ابوك
ابراهیم فسلِّم علیه قال فسلّمتُ علیه فردَّ
السَّلامَ ثمّ قال مرحبًا بالابن الصّالح والنّبیّ

الصالح ثم رفعت الی سدرۃ المنتھٰی الخ

خلاصہ ترجمہ حدیث مذکور :-

.....اس کے بعد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانِ اوّل پر لیکر چڑھے۔ جبرئیلِ امین نے دربان کو آواز دی، اس نے کہا: کون ہے؟ جبرئیلؑ نے اپنا نام بتایا، دربان نے پوچھا: تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر دریافت کیا گیا: کہ کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جواب دیا: ہاں! یہ سُنکر دربان (فرشتہ) نے پہلے آسمان کا دروازہ کھول دیا اور مرحبا و خوش آمدید کہا، اور کہا یہ خبر سُنکر آسمان والے خوش ہونگے۔ آپؐ نے فرمایا: جب میں پہلے آسمان میں داخل ہوا تو ایک شخص نظر آیا جس کی دائیں اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیاں تھیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا اور خوش ہوتا اور جب بائیں طرف دیکھتا تو روتا تھا) وہ آپؐ کو دیکھ کر بولا: "مرحبا! اے نبی صالح اور فرزند صالح۔" آپؐ نے جبرئیلؑ سے سوال کیا: "کہ یہ کون صاحب ہیں؟" جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ

آپؐ کے باپ آدمؑ ہیں، ان کی دائیں اور بائیں طرف، جو پرچھائیاں ہیں وہ اُن کی اولاد کی رُوحیں ہیں (دائیں طرف جنتی اور بائیں طرف دوزخی ہیں، اس لئے ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے اور دوسری طرف دیکھتے تو غمگین ہوتے ہیں) اسی طرح آپؐ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے تو وہاں اسی قسم کی باتیں ہوئیں اور دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، ملاقات ہوئی۔ دونوں نے مرحبا اور خوش آمدید کہا۔ گویا بقولِ ناعت ان ابیات کا مطالب اداکیا...

نظم

اے بدرت جملہ ملک مُلتجی ۔۔ جِئتَ اِلَیْنا وَلَنِعْمَ المجیئ

آمدی وآمدنت بس خوشت ۔۔ دیدنِ رُخِ تو عجب دلکشت

خاکِ درت بر سرِ ما تاج باد ۔۔ ہر شب عمرت شب معراج باد

اس کے بعد آپؐ تیسرے آسمان کی طرف تشریف لے گئے، وہاں بھی اسی قسم کی گفتگو ہوئی وہاں حضرت یوسفؑ ملے جنکو حُسن وجمال کا بے شمار بہرہ ملا ہے۔ پھر چوتھے آسمان میں نزولِ اجلال فرمایا۔ وہاں بھی جبرئیل امینؑ کے ساتھ اسی قسم کا سوال وجواب پیش آیا

اس میں حضرت ادریسؑ سے ملاقات کی، آپؐ نے اُن کو سلام کیا اور انہوں نے جواب سلام کیا اور کہا: نیکو کار برادر اور عظیم القدر پیغمبرؐ کو مرحبا اور شاباش ہو۔ وہاں سے پانچویں آسمان میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت ہارونؑ سے ملاقات ہوئی، ان کو سلام کیا اور انہوں نے صالح پیغمبر اور صالح برادر کہہ کر جواب سلام کیا اور مرحبا وخوش آمدید کہا۔ پھر آگے بڑھے، تو چھٹے آسمان میں داخل ہوئے وہاں بھی اسی قسم کی باتیں ہوئیں اور حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ جب آپؐ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰؑ رو پڑے۔ آواز آئی اس رونے کا کیا سبب ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: میرے بعد تُو نے اس جوان کو مبعوث فرمایا، اُن کے اُمّتی میرے اُمّتیوں سے زیادہ جنّت میں داخل ہونگے۔ ساتویں آسمان میں جا داخل ہوئے تو وہاں بھی گرم جوشی سے استقبال ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: وہاں ایک صاحب نظر آئے تو جبرئیل امینؑ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ کہا، یہ آپؐ کے باپ ابراہیمؑ ہیں۔ انہوں نے بھی مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر خیر مقدم کیا۔ آپؐ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگائے

ہوئے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار (۷۰,۰۰۰/) فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر دوسروں کو قیامت تک اس کے طواف کا نمبر نہیں آئے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تشریف لے گئے۔ یہ ایک بیری کا درخت ہے، زمین کی چیزیں وہاں تک پہنچتی ہیں اور قدرت کی طرف سے عالمِ ارضی کی طرف جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ بھی پہلے اسی درخت کے قریب پہنچتے تھے۔ یہاں آپؐ کو قلمِ قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس درخت پر شانِ ربانی کا پَرتَو تھا جس نے آکر جب اس کو چھپالیا تو اس ہئیت بدل گئی، اور اس میں حُسن وجمال کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کے بیان سے زبان گنگ اور عاجز ہے، اس میں رنگ برنگ تجلیاتِ انوار نظر آئے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آگے نہیں بڑھے۔ صاحبِ معراج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

جیسا کہ حضرت سعدیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے

اگر یک سرِ موی برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

"کہ اگر اب ایک بال برابر آگے بڑھوں تو میرے پَر تجلیاتِ الٰہی سے جل جائیں گے۔"

روایتی حیثیت چھوڑ کر بعض علماء نے لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

تجاوزتُ الحُجبَ والبحورَ ورأیتُ العجائبَ مالا یُحصٰی لیس فیہا ارضٌ ولا شمسٌ ولا قمرٌ ولا ملکٌ ولا عرشٌ ولا کرسیٌ ولا لوحٌ ولا قلمٌ ولا زمانٌ ولا مکانٌ ولا علوٌ ولا سفلٌ ولا سکونٌ ولا حرکۃٌ ولا وقتٌ ولا ساعۃٌ وکان یُستقبلُ بأذنِ مِنّیْ۔ (من المعراج الکبریٰ)

ترجمہ:۔ میں تنہا آگے بڑھتا گیا، میں نے ظاہری پردے اور معرفت کے سمندر طے کئے اور اتنے عجائبات دیکھے جن کا شمار نہیں۔ ان منازل میں نہ زمین نہ آفتاب، نہ چاند نہ ملک، نہ عرش نہ کرسی، نہ لوح و قلم، نہ زمان و مکان، نہ بلندی و پستی، نہ سکون

وحرکت، نہ وقت وساعت۔ یعنے علامات حدوث میں سے
کوئی چیز ہی نظر نہ آتی۔ جوں جوں آگے بڑھتے تھے، تو
"اُدْنُ مِنِّی" "یعنے: اور نزدیک ہو جاؤ" کی آواز سنائی دیتی
تھی یہاں تک کہ: دنا فتدلیٰ فکان قاب قوسین او
ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ سے وہ شرف پایا
جس کو آپؐ کے سوا اوّلین و آخرین میں سے کسی نے نہیں
پایا۔ بہت سے پیغمبروں نے یہ سعادت حاصل کرنے کی کوشش
اور دعائیں کی تھیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدارِ خاص کے
لئے اپنے حبیبِ خاص حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم کو ہی اس شرف و عزّت کے لئے چنا اور منتخب کیا تھا۔

حضرت نظامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس امتیاز کو اپنے
ان تاریخی اور لافانی ابیات میں اس طرح ادا کیا۔ فرماتے ہیں:

آدم لو زحمہ در آمد بہ پیش .:. تا ببرد آں گوئے بجوگان خویش
نوح کہ لب تشنہ بحیوان رسید .:. چشمہ غلط کرد و بطوفاں رسید
مہر براہیم ز درائے او فتاد .:. نیمہ رہ آمد دو سر جائے او فتاد
خود دلِ داؤد نفس تنگ داشت .:. در خور ایں زیر کم آہنگ داشت

داشت سلیمان ادب خود نگاہ ∴ مملکت بخت ایں کُلاہ

یوسف ازیں چاہ عیانی ندید ∴ جُز رسن و دَلو نِشانے ندید

خضر عنان زیرِ سفر خشک تافت ∴ دامنِ خود تر شدہ چشم یافت

موسیٰ ازیں جام تہی دید دست ∴ شیشہ بکُہ پارۂ اَرِنی شکست

عزمِ مسیحانہ بدیں دانہ بود ∴ کوز دروں تہمت بیگانہ بود

ہم بملک طرح در انداختی ∴ سایہ بدیں کار بر انداختی

مُہر شُد ایں نامہ بعنوان تو
ختم شُد ایں خطبہ بدوران تو

ترجمہ :- یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دیدارِ خاص کا گیند تو مولود آدم علیہ السّلام نے آگے بڑھانا چاہا مگر نہ بڑھا سکے بلکہ جنّت سے نکلکر حضرت نوح علیہ السّلام نے بھی اس کی کوشش کی تھی مگر انہیں طوفان حائل آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بھی اس سعادت کا گیند اُچک لینا چاہا مگر تھوڑے سے پرتَو اور مشاہدات پر زمین پر بیٹھے بیٹھے قناعت کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا مقام دیکھکر اور دیدارِ ذاتِ باری کی عظمت ملاحظہ فرماکر پیچھے رہنا ہی مناسب جانا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا ادب

ملحوظ رکھا۔ اس تاج معلّٰی کی آرزو ہی نہ فرمائی۔ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے معرفت کے کنوئیں میں ڈول اور رسی کے سوا کچھ نہ دیکھا، حضرت خضرؑ نے آبِ حیوان کے چشمہ پر قناعت کی، موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر ایک پرتوِ الٰہی سے از خود ہوئے، حضرت مسیح علیہ السّلام کو اس فخر و امتیاز کے گیند تک پہنچ ہی نہ سکے کیونکہ وہ اس خیال سے بیگانہ ہوئے اور لوگوں سے بچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ ہاں اے مالک الملک پروردگار! تُو نے آب و گل کے سایہ میں انبیاءِ کرامؑ کے درمیان قبولیت کا یہ گیند ڈالدیا، مگر یہ اولین و آخرین میں سے ایک ہی پیغمبر کو نصیب ہوا۔ بس اس نامہ عنبر شمامہ دیدارِ ربّانی پر رُوح وجسد اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے آپ ہی کی ذات تو وہ صفات مہر ثبت ہے اور آپؐ ہی پر یہ امتیاز اور افضلیت ختم ہوئی۔ اور آپؐ کے زمانۂ مبارک میں یہ خطبہ سُبحان الّذی اسریٰ کا آپ ہی پر ختم ہوا .....

نوٹ : ان ابیات کا مکمل ترجمہ و تشریح نظامی کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

غرض اس رات میں آپؐ نے عالمِ بالا کے تمام عجائب و غرائب حتیٰ کہ جنّت و جہنّم اور دونوں کے مستحقین کو بھی ملاحظہ فرمایا یہاں تک کہ دیدارِ الٰہی سے سرفراز ہوئے۔

اب اس مقام پر پہنچ کر چند سوالات سامنے آتے ہیں، جن کا جواب دینا ضروری ہے۔

● **پہلا** سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصےٰ تک وہاں سے آسمانوں، سِدرۃ المنتہیٰ اور وہاں سے مقامِ قابَ قوسین اَوْ اَدْنیٰ تک جو سیر فرمائی وہ روحانی طور پر تھی یا بروح و جسدِ اقدس ہوئی؟ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

● **دوسرا** سوال یہ ہے کہ آپؐ نے ظاہری چشمانِ مبارکہ سے حضرت اللہ جلّ شانہٗ کو دیکھا ہے، اور کیا یہ ازروئے عقل ممکن ہے جبکہ آیتِ مبارکہ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ سے خداتعالےٰ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال اور ناممکن ثابت ہوتا ہے؟

● **تیسرا** سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس دیدار کے بعد کون سے احکام و اسرار عطا ہوئے۔

● **چوتھا** سوال یہ ہے کہ معراج محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمّت مرحومہ کو کیا درس و سبق دیا اور بنی آدم کو اس سے کیا رہبری اور رہنمائی ملتی ہے ؟

جب تک ہم مذکورہ چار سوالوں کا جواب نہیں دیں گے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ مضمون نامکمل ہوگا۔ باقی رہیں وہ تفصیلات اور مشاہدات جن سے آپ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور وہاں سے دیدارِ الٰہی سے مشرّف ہوتے ہوئے تشریف فرما ہوئے تو اس مختصر رسالہ میں ان کی تحریر کی گنجائش نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو کسی اور وقت ہم ان پر بھی تفصیل وار قلم اٹھائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے قرآن مجید ہی سے اس سوال کا جواب سُننا اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو قرآنِ کریم میں حضرت رحمٰن جلّ شانہٗ نے یوں فرمایا :

سُبْحَانَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی پاک ہے وہ ذات باری تعالیٰ جس نے اپنے بندۂ خاص (حضرت محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰے کی طرف رات کے کچھ حصّے میں سیر کرائی"۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس مقام میں لفظ "عبد" استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عَبد روح اور جسم دونوں پر اطلاق ہوتا ہے، نہ صرف روح پر اور نہ صرف جسم پر بلکہ دونوں کے مجموعہ پر عَبد بولتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ آپؐ کی یہ سیر اور یہ معراج روح و جسد تھی جس پر علمائے اُمت کا اجماع اور اتفاق ہے اور اگر واقعۂ اسراء و معراج صرف روحانی طور پر ہوتا تب یوں فرماتے: "سُبحَانَ الّذِی اَسْرٰی بروحِ عَبدِہٖ لَیلاً مِنَ المسجِدِ الحرامِ اِلَی المسجِدِ الاقصٰے" ۔اِذ لیسَ فلیس۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ اسراء کا یہ عظیم الشان واقعہ بروح و جسد منصۂ شہود پر آیا۔

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ سورۂ اسراء میں فرماتا ہے وَمَا جَعَلنَا الرُّؤیَا الّتِیۤ اَرَینٰکَ اِلّا فِتنَۃً لِّلنَّاسِ کہ ہم نے جو تماشا آپ کو واقعہ معراج میں بحالتِ بیداری دکھلایا تھا وہ محض لوگوں کے لئے امتحان و آزمائش تھی کہ

کون ہماری قدرت و طاقت پر یقین و ایمان رکھتا ہے، اور کون
شک و تذبذب میں مبتلا رہتا ہے ؟ ظاہر ہے کہ اگر یہ خواب
کے طور پر ہوا ہوتا تو تب یہ عظیم الشان واقعۂ اسراء و معراج
امتحان و آزمائش کا باعث اور سبب نہیں ہوتا۔ کیونکہ خواب
میں انسان بہت کچھ دیکھتا ہے، مگر اس کے مخالفین خواہ وہ
کتنے ہی سخت سے سخت ترکیوں نہ ہوں، خواب دیکھنے والے
کے خواب کا انکار نہیں کرتے۔ حالانکہ جوں ہی آنحضور صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم نے اپنی معراج لوگوں کے سامنے بیان کی تو مخالفین
دلیلیں اور علامتیں طلب کرنے لگے تو معلوم ہوا کہ معراج
کا یہ عظیم الشان واقعہ بطورِ معجزۂ سیّد العرب والعجم حضرت محمّد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروح جسد اقدس حالت
بیداری میں تھا۔ اور جن احادیثِ مقدّسہ میں یہ آیا ہے
کہ آپؐ نے فرمایا: جس وقت جبرئیلِ امینؑ میرے پاس
آئے تو میں بَيْنَ النَّوْمِ وَالْيَقَظَة "(کہ میں نیند اور
بیداری کی حالت میں تھا)۔ تو اس حدیث میں حضرت
جبرئیلؑ کے آنے کے وقت کا بیان ہے اور اس میں اسراء و

معراج کے وقت کا بیان نہیں ہے وہ بعد میں مکمل بیداری کے بعد وقوع پذیر ہوا۔

تیسری دلیل :۔ اسراء کی حدیثوں میں براق کے لائے جانے اور اس پر سوار ہونے کا بیان صراحت کے ساتھ مذکور ہے، یہاں تک کہ احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم براق پر سوار ہونے لگے تو براق تلملانے لگا تو جبرئیل امینؑ نے اس سے فرمایا : ابمحمدٍ تفعلُ کذا " اے براق تم کو پتہ نہیں کہ تمہارا سوار کون صاحب ہیں ؟ تمہارا سوار تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں ۔ فارفضّ عرقاً " تو براق آپ کا نام مقدس معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سنکر مارے حیاء کے پسینہ پسینہ ہوگیا ۔ ظاہر ہے کہ براق یا اور کسی جانور پر سوار ہونا جسم کے لوازم میں سے ہے اور روح کے سوار ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور دور از کار تاویلات وہی شخص کر سکتا ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت و رفعت سے نابلد اور اپنے آپ کو احمقوں کی دنیا میں شامل کرنا چاہتا ہو۔

چوتھی دلیل :۔ سترہ سے زائد جلیل القدر صحابۂ کرام رضوان

اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حدیثِ اسراء کی روایت کرتے ہیں اور پھر کسی نے اس واقعہ کا انکار نہیں کیا۔ رہا اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا: مَا فَقَدَ جَسَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ اُسْرِیَ بِرُوْحِہٖ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسدِ اقدس کھویا نہیں گیا بلکہ آپ کی روحِ اقدس شب کو سیر کرائی گئی"۔ تو واضح رہے کہ اُمّ المومنین رضؓ کے اس قول کے مختلف جوابات علماء نے دیئے ہیں

اوّلاً: یہ روایت ضعیف ہے کہ محمد بن اسحٰق اور اُمّ المومنین رضؓ کے درمیان ایک راوی ایسا ہے جس کا نام و نشان تک مذکور نہیں۔ پھر ایسی روایت سے استدلال کرنے سے کوئی معنے نہیں، اور پھر محمد بن اسحٰق روایتِ حدیث میں پایۂ اعتبار سے فروتر ہے حضرت امام مالکؒ سے اُن کے متعلق پوچھئے وہ محمد بن اسحٰق کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ اس عبارت کا اصلی مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسدِ مبارک معراج کی رات گم نہیں ہوا بلکہ وہ آپؐ کی روحِ معلیٰؐ کے ساتھ پورے طور پر جنبس و

انیس تھا۔ یہ معنی علامہ نسفیؒ "شرح عقاید نسفی" میں فرماتے ہیں۔
چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مذکورہ روایت میں :
"وَلٰکِن اُسْرِیَ بِرُوحِہٖ" اس جگہ اُسْرِیَ کا نائب
فاعل آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں جیسا کہ علماء نے
سمجھا ہے بلکہ آپ کا جسدِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسْرِیَ
کا نائبِ فاعل ہے۔ اس صورت میں معنے یہ ہوئے کہ معراج
کی رات آپ کا جسدِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے علیحدہ نہیں ہوا
تھا بلکہ وہ بھی آپ کی روح مقدسہ معطرہ منورہ کے ساتھ سیر
کرایا گیا۔ اس صورت میں یہ ہماری دلیل ہے کہ آپ نے بروح و
جسدِ عنصری اسراء و معراج کا شرف حاصل کیا فافہم فانہ مفید جداً"
پانچویں بات یہ ہے کہ حضرت اُمّ المومنینؓ زمانۂ معراج میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں نہیں پہنچی تھیں لہٰذا درایۃً
یہ روایت قابل اعتبار کیا بلکہ قابلِ بیان بھی نہیں۔ قاعدہ یہ ہے
کہ اِذَا جَاءَ الاحتمالُ بَطَلَ الاستدلالُ کہ جب کسی
بات میں جانبِ مخالف کا احتمال پیدا ہو جائے تو اس سے
استدلال کرنا باطل اور عبث ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو یہ منقول ہے کہ آپؐ کی روحِ مقدسہ کی معراج کرائی گئی۔ روایتاً یہ بھی ضعیف اور منقطع اور ناقابلِ استدلال ہے، اور پھر اس میں بھی حضرت معاویہؓ کے یہ الفاظ ہیں: کَانَتْ رُؤْیَا مِّنَ اللّٰہِ صَادِقَۃً۔ یہ خدا کی طرف سے سچا خواب تھا۔ افسوس ہے کہ علمائے اسلام نے حضرت معاویہؓ کی اس عبارت پر غور نہیں کیا، یہ کس لغت سے ثابت ہے کہ رؤیا صرف خواب ہی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ بلکہ رؤیا عام ہے خواب میں ہو یا بیداری میں، تو اس میں اس کے یہ معنے ہوئے کہ آپؐ کی معراج ایسی رویت ہے اور ایسا دیکھنا ہے جس میں جھوٹ اور خلافِ واقعہ کی بو تک نہیں تھی۔ لہٰذا تمام صحابۂ کرامؓ کا آپؐ کی اسراء و معراج پر اتفاق ہے، اور خاصکر اس بات پر کہ آپؐ کی معراج بروح و جسد تھی، اور پھر جو لوگ اس کو رؤیا سے تعبیر کرتے ہیں تو وہ بھی اس سے منامی رؤیا ہرگز مراد نہیں لیتے، جیسا کہ "زاد المعاد" میں اس کی تفصیل ہے کہ لکھتے ہیں :-

"پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ آپ ؐ کی معراج کو معاذ اللہ معراج منامی خواب کی معراج نہیں بتلاتے بلکہ زیادہ سے زیادہ وہ یوں کہتے ہیں کہ آپ کی روح معلّٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لے گئی۔ دید بادید اور بحالتِ بیداری؛ اور یہ کہ آپ ؐ کی روح کے ساتھ وہ سب کچھ پیش آیا جو بعدِ مفارقت جسم کو پیش آتا ہے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں: کہ آپ ؐ کی روح ہر ایک آسمان پر بحالتِ بیداری پہنچی، حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا پہنچی پھر زمین کی طرف اتر آئی۔ اس سے بھی ان حضرات کا یہ بتانا مراد ہے کہ اصل معراج اور دیدارِ روح معلّٰی کو میسّر ہوا اور جسدِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تبعیت میں، اس طرح بعون اللہ تمام روایتوں میں مطابقت پیدا ہوئی ہے۔ مزید تحقیق کے لئے زاد المعاد کا مطالعہ کیجیے۔"

دوسرے سوال کا جواب: (کیا آپ نے پروردگارِ کریم کو دیکھا ہے؟)

ترمذی شریف کی روایت میں حضرت عبداللہ ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس طرح مروی ہے :۔

عَنِ ابنِ عبّاسٍ رضؓ فی قولہٖ تعالیٰ وما جعلنا
الرُّؤیا الّتی اَرَیْنٰاکَ اِلاَّ فِتْنَۃً لِلنَّاسِ قال
ہِیَ رؤیا عینٍ اُرِیَہا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہِ
وَآلِہٖ وَسلّم لَمّا اُسْرِیَ بِہٖ اِلیٰ بیتِ المقدّس

(بخاری باب الاسراء)

ترجمہ : " حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہ " ہم نے جو رؤیا آپؐ کو دکھایا ، اس کو نہیں بنایا لیکن لوگوں کے لئے آزمائش " کہتے ہیں کہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دکھایا گیا ۔ جب آپؐ کو رات کے وقت بیت المقدّس لے جایا گیا ۔"

حضرت ابن عباس رضؓ سے بڑھ کر عربی لغت سے کون آشنا اور ماہر ہو سکتا ہے ، تو انہوں نے رؤیا کا ترجمہ آنکھ سے مشاہدہ کرنے کو کیا ہے تو وہ ہمارے لئے حجّت اور قوی دلیل ہے ۔ چنانچہ رؤیا کا مشاہدہ اور دیکھنے کے معنے میں آنا اہلِ عرب میں شائع اور ذائع ہے ۔ عرب کا مشہور شاعر راعی کہتا ہے

ع "فَكَبَّرَ لِلرُّؤيا وَهَشَّ فؤادُہٗ

یعنے" اس کو دیکھکر اللہ اکبر کہا اور اس کا دل خوش ہوا۔"
متنبّی کہتا ہے۔ ع

مَضَی اللَّیْلُ وَالْفضلُ الّذی لکَ لایمضی
ورؤیاکَ احلٰی فی العیونِ مِنَ الغُمضِ

رہی مردویہ کی یہ روایت کہ آنحضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم
نے : لَمْ یَرَہٗ بِعَیْنِہٖ اِنَّمَا رَاٰہُ بِقَلْبِہٖ (فتح الباری)
اللہ تعالٰے کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے قلبِ
مبارک سے دیکھا۔" تو اس کا اصلی اور حقیقی مطلب
یہ ہے کہ بسا اوقات آنکھ سے ایک چیز دیکھتا ہے مگر کسی
عارض اور مانع کی وجہ سے دل اس کو تسلیم نہیں کرتا، تو
راوی حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ آپؐ نے دلِ مبارک
سے مشاہدہ کیا اور آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز کو دل سے مانا
اور تسلیم کیا، اور پھر دل سے دیکھنا بلحاظ آنکھوں کے دیکھنے
کے زیادہ قوی ہوتا ہے اور اس میں شکوک و شبہات نہیں
رہتے۔ اس لئے اللہ تعالٰی نے اسی مضمون کو مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ

ما رأیٰ " سے تعبیر فرمایا کہ جو کچھ آنکھوں نے دیکھا دل نے
اس کی تکذیب نہیں کی ، بلکہ اس کو تسلیم کیا۔ اصل علم اور
حصولِ مطلب صرف رویتِ ظاہری سے ہی نہیں بلکہ رویتِ
باطنی سے زیادہ قوی اور بے ریب ہوتا ہے۔ اسی طرح

آیت : لاتدرکہُ الأبصارُ وھو یُدرِکُ الأبصار
آپ کے مشاہدۂ ذاتِ باری کے کسی طرح خلاف نہیں کیونکہ
نفی ادراک سے نفی رویت نہیں ہوتی ۔ یعنے آیت کا یہ
مطلب نہیں کہ آنکھیں خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھتیں اور وہ
آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ معنی اس آیت کے ہرگز نہیں
بلکہ ادراک کسی شئے کی حقیقت و ماہیت سمجھنے کا نام ہے، تو
یہ معنی ہوئے کہ مخلوقات کی آنکھیں ذاتِ باری تعالیٰ کا
ادراک نہیں کرسکتیں یعنی اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتیں
تو یہ معنے ٹھیک ہے کہ آنکھیں رویتِ باری کے ہوتے ہوئے
بھی اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ جیسا کہ کہا گیا۔ ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
واز ہر چہ گفتند و شنیدم و خواندہ ایم

دفترتمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہمچناں در اوّلِ وصف تو ماندہ ایم

اسی طرح جس حدیث میں آیا ہے: "نُورٌ اَنّٰی اَرَاہُ"
وہ تو نور ہے کہ میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں تو اس دیکھنے
سے مراد یہی کہ ذاتِ باری کی حقیقت و ماہیت تک مکمل رسائی
حاصل کیسے کی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی کے بس اور امکان
میں ہرگز نہیں کہ وہ ذاتِ باری کا احاطہ اور ادراک کرے
اور پھر جن حضرات نے اس روایت کو اس طرح پڑھا ہے
اور عبارت بھی اس کی متحمّل ہے کہ: نُورٌ اِنّیْ اُرَاہُ
وہ ایک نورانی ذات ہے جو میں دیکھتا ہوں۔ اس طرح
نفی رویت کی روایتیں عقلاً و نقلاً کمزور اور رویت
باری تعالیٰ کی حدیثیں قوی اور انہیں پر بعد میں اجماع ہو
چکا ہے۔ اس پر سب سے واضح دلیل یہ بھی ہے کہ آخرت
میں مومنین کا ذاتِ باری تعالیٰ کو دیکھنا روایاتِ متواترہ سے
ثابت اور مبرہن ہے تو اللہ تعالےٰ نے وہ شرف آپ کو
سب سے پہلے معراج کی رات میں عطا فرمایا۔

اسی طرح ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مقام پر کعب احبار سے حضرت ابن عباس رض کی ملاقات ہوئی۔ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے دیدار کی موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تقسیم کردی، چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ کو دو دفعہ شرفِ کلام حاصل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو دفعہ خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے

حدیثِ مبارک کی اصلی عبارت یہ ہے :

عن الشعبی قال لقی ابن عباس کعبًا بعرفۃ فسألہ من شیٔ فکبر حتی جاوبتہ الجبال فقال ابن عباس اخبرنا بنو ھاشم فقال کعب ان اللہ قسم رؤیتہ وکلامہ بین محمد وموسٰی فکلم موسٰی مرتین وراٰہ محمد مرتین۔"

اور اس پر امّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو اعتراض اپنے اجتہاد سے کیا ہے اس کا جواب ہم سابقہ سطروں میں تفصیل سے دے چکے ہیں۔ فلا ورود ولا کلام ـــ

ہاں ہمارے مقدم الذکر سطروں پر یہ اعتراض ضرور ہوگا کہ

قرآنِ کریم کی آیات سے صرف اسراء یعنی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی سیر ثابت ہوتی ہے، اور آسمانوں کی سیر و سیاحت قرآنی آیات سے ثابت نہیں ہوئی۔ تو اس کے دو جواب ہیں:

اوّلاً: مانا کہ صرف احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سے آسمانوں کی سیر ثابت ہوتی ہے مگر وہ احادیث اس درجہ زیادہ ہیں جن سے کسی طرح تعرض نہیں کر سکتے اور نہ انکار کی گنجائش رہتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو منکرینِ حدیث کی فہرست میں درج فرمائے گا۔ پس قرآنِ حکیم سے ثابت ہو یا احادیثِ مشہورہ اور متواترہ سے ثابت ہو تو ہمارے ہاں یکساں حکم رکھتا ہے کہ ہمیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

دوسرا جواب، یہ ہے کہ آپ نے جو آسمانوں کی سیر فرمائی اور دیدارِ الٰہی سے سرفراز ہوئے وہ بھی قرآنی آیات سے ثابت اور عیاں ہے۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں علمائے اسلام انتشارِ ضمائر کی لفظی بحث میں اُلجھ کر اصلی مقصد سے بہت دور جا گرے حالانکہ وہ اچھی طرح یہ مسئلہ جانتے ہیں، کہ انتشارِ ضمائر اس لئے ناجائز ہے کہ اس سے کلام نظم و ربط سے جاتا

رہتا ہے اور مطلب کے سمجھنے میں دِقت آتی ہے۔ اس لئے بلغاءِ عرب انتشارِ ضمائر سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا، فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی میں جو فَاَوْحٰی مذکور ہے اس میں پوشیدہ ضمیر جبرئیل امین ؑ کی طرف راجع نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے کیونکہ فعلِ ایحا یعنے وحی بھیجنا یہ کام متعین ہے، صرف ذاتِ باری کا تو اس بناء پر سورۃ النجم کی آیات معراج سے متعلق ہے جس پر قرینہ یہ ہے کہ اس سورت کو نجم ستارۂ سماوی سے شروع کیا گیا ہے جو اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس سورت میں آسمانی احوال سے بحث ہوگی۔ چنانچہ شیخ الحدیث فخر المتاخرین قدوۃ السالکین حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرفوع حدیث اور صحیح آثار سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خدا کی رویت دُو مرتبہ ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ دل سے اور دوسری مرتبہ آنکھ سے۔ اور فرماتے ہیں:

مَا کَذَبَ الْفُوَادُ مَا رَاٰی کے بعد جو اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ہے۔ اس میں بجائے فعل ماضی کے یَرٰی

بصیغۂ مضارع فرمانا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ رویتِ اولیٰ کے علاوہ کوئی اور رویت ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ کا ایک اثر ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ربّ کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ آنکھ سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔ علامہ طبریؒ نے اس اثر کو اوسط میں نقل کیا ہے۔ سوائے منصور الکوثی کے اس کے تمام راوی صحیح کے رُواۃ ہیں، جہود بن منصور کو بھی ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ (ملخّص از وحی الٰہی مؤلفہ حضرت الاستاذ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی)

اور اسی کتاب میں حضرت شاہ صاحبؒ کا قول ہے :-

مَا کذبَ الفوادُ مَا رأیٰ۔ اس رأی کا فاعل عَبد یعنے حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، اور یہ رویت عام ہے خواہ دل کے ذریعہ ہو یا آنکھ کے ذریعہ۔ اس صورت میں کَذَبَ متعدی بدو مفعول ہوگا اس میں کوئی دشواری نہیں ہے کیونکہ تکذیب کی کَذَبَ بھی متعدی بدو

مفعول ہو کر آتا ہے۔ مثلاً یوں کہئے: صدّقتُ فلاناً الحدیثَ وکذّبتُہٗ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو ایک مفعول پر ہی مختصر کیا جائے۔ جیسا کہ امام نَوَوی رحؒ نے قراءۃ سے نقل کیا ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ دِل نے اس معاملہ میں جھوٹ نہیں کہا، بلکہ اس نے وہی کہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج میں عیاناً دیکھا۔"

(خلاصہ از وحیِ ربّانی)

غرض حضرت خاتم المحدثین علامہ انور شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق کے بعد اس امر میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج میں عیاناً اُو ظاہری چشمانِ مبارک سے اپنے ربّ مبداءِ فیاض کے دیدار سے سرفراز اور بہرہ ور ہوئے ـــ یہی ہمارا اور ہمارے اسلاف کا ایمان و ایقان اور اعتقاد و تعامل ہے۔ چنانچہ حضرت نظامی رحؒ فرماتے ہیں: ؎

دید محمدؐ خدا را نہ بچشمِ دگر ٭ بلکہ بدیں چشم کہ دارد بسر

خورد شرابے کہ حق آمیختہ ٭ جرعۂ آں در دلِ ما ریختہ

لطفِ ازل بانفسِ تمنشین ۰۰ رحمتِ حق نازکش اونازنین

یعنے : آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کو ظاہری مازاغ چشموں سے دیکھا اور حق کا تیار کیا ہوا شرابِ معرفت نوش فرماگئے۔ اُس میں ہمارے لئے بھی ایک گھونٹ لے آئے۔ ازلی اور ابدی مہربانی آپ کے ساتھ ساتھ تھی اور اللہ تعالےٰ کی رحمت وعنایت آنجناب کی ناز برداری کرتی تھی اور آپ میں شانِ محبوبیت ونازنینی تھی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ)

ایک اہم سوال کا جواب !

زادُ المعاد کے موقر فاضل مصنّف جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ سورۂ نجم ۵ھ نبوّت میں نازل ہوئی۔ لہٰذا اس سورت کو واقعۂ معراج سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔ یقیناً یہ ایسی بات ہے جو ہماری تحقیق پر پانی پھیرنے والی ہے۔ چنانچہ زادُ المعاد جلد ۳، ص۴۴ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں :

" سورۂ نجم ۵ھ نبوی میں نازل ہوئی اور واقعۂ معراج ۱۱ھ یا ۱۲ھ نبوی میں پیش آیا ہے اور اسی وقت سورۂ اسراء

نازل ہوئی ہے۔ سورۂ النجم میں نزولِ وحی، آمدِ جبرئیل، دعوتِ رسالت کی تائید اور افتراءِ کفار کی تردید ہے۔ اور یہ ۵ھ نبوی کے حالات ہیں۔"

اس کا جواب

اولاً : یہ کہ پوری سورۂ نجم دفعتہً ۵ھ ہجری میں نازل ہوئی، تسلیم نہیں۔ ثانیاً : علامہ زرقانی کی تحقیق کے مطابق معراج کا واقعہ بعثت سے پانچ سال بعد پیش آیا ہے۔ لہذا اس سورت کو معراج سے غیر متعلق قرار دینا ظلمِ عظیم ہے۔ ثالثاً : سورۂ والنجم کی عبارت اور اس کی فصاحت و بلاغت بتاتی ہے کہ کسی بڑے اہم واقعہ کا اس میں ذکر کیا جاتا ہے جو معراج کے سوا اور کوئی ہو نہیں سکتا، اور مکہ کے کفار آغازِ وحی ہی سے حضرت جبرئیل امین سے متعارف ہو چکے تھے۔ رابعاً : اس سورت میں اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی آیا ہے۔ یَرٰی کو بصیغۂ مضارع لانا معراجِ عیانی کی پیشگوئی ہے جس کے بعد سورۂ اِسراء نازل ہوئی تو معلوم ہوا کہ سورۂ والنجم کا تعلق حضرت صاحبُ المعراج

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہے۔

مزید برآں صاحبِ معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ :

دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنٰی کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں :۔

" حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم قرب معنوی اور کرامات و بزرگی میں اللہ تعالےٰ سے بہت زیادہ نزدیک ہو کر سر بسجود ہوئے کہ الٰہی آپ نے یہ اختصاص و امتیاز جو مجھے عطا فرمایا، یہ محض آپ کی عنایت و مہربانی ہے اور آئندہ بھی جو عنایت ہو گی وہ آپ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ تو آپ اس قربِ معنوی میں اپنے مولیٰ سے اتنے قریب تر ہوئے جتنی دو کمانوں کی پُشت ہوتی ہے جبکہ ان کو ملایا جائے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب تر۔ اب ہمارے پاس وہ قلم نہیں ہے، وہ زبان نہیں ہے اور نہ وہ قابلیت اور رسائی ہے کہ ہم :۔ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنٰی "کا مفہوم کروڑ حِصّوں میں سے ایک حِصّہ بھی سمجھا سکیں۔ کیونکہ

صاحبِ معراج حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شانِ عالیشان اتنی بلند ہے کہ : ؏

شاہبازِ فضای لامکانیت ⁂ غوّاصِ جواہر معانیست
مجوبۂ کشای پردۂ غیب ⁂ گنجور خزانہای لاریب
گنجینۂ کیمیائے عالم ⁂ پیش از ہمہ پیشوائے عالم
کِلک از صفتش زبان بریدہ ⁂ نہ بہر کملک او چکیدہ
ذیلِ کرمش زفتنہا دور ⁂ خاکِ قدمش بدیدہا نور
بستہ کمر آسمان بکارش ⁂ انجم ہمہ جا و شان بارش
بر کنجہ کشیدہ فتراک ⁂ کانجا نرسیدہ وہم وادراک

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ جب جمادات ، نباتات اور حیوانات اور بعض اشیاء کی فطرتِ سلیم میں یہ بات موجود ہے کہ وہ اپنے مرکز کی تلاش اور اس کا قرب ڈھونڈنے میں سرگرداں رہتے ہیں ، تو پھر صاحبِ لولاک ، ذی شانِ لعمرک ، اُمیدگاہِ خاص و عام حضرت سیّد الانام روحی لہ الفدا کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ "

تیسرے سوال کا جواب !

(آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کون سے احکام واسرار سے بہرہ ور بنائے گئے ؟)

اس سلسلے میں جہاں تک آپ کے اسرار و معارف کے حصول کا تعلّق ہے تو وہ عقولِ انسانی کی قوّت و طاقت سے بہت بالا ہیں اور زبان اس کے بیان سے عاجز۔ وہ اسرار تو اس نوع کے تھے کہ "کرامًا کاتبین راہم خبر نیست" البتہ ان میں سے علماءِ اسلام نے جو اسرار و معارف قلم بند کئے ہیں، اس رسالہ میں ہم ان کے لکھنے سے معذور ہیں۔ لعلّ اللّٰہ یحدث بعدَ ذالکَ امرًا البتہ رسالہ کے دوسرے حصّے میں ہم ان اسرار کی کچھ تفصیل قلم بند کریں گے انشاءاللہ۔ ہاں، ہم شرعًا ان اسرار پر مطلّع اور واقف ہونے کے پابند نہیں ہیں۔ البتہ احکام کے متعلق کچھ عرض کریں گے۔

معراج کی رات میں جب حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مقامِ دُنُوّ و نزدیکی میں اپنی عبدیّت و بندگی کا بارگاہِ الٰہی میں اپنا تحفہ "اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ"

(تمام قسم کی بدنی، قولی اور مالی عبادتیں صرف ایک خدائے برتر ذوالجلال کے لئے زیبا اور سزاوار ہیں) سے پیش کیا تو اللہ تعالےٰ کو اپنے حبیب اور مہمانِ مدعو باختصاص کے یہ الفاظ اتنے پسند آئے کہ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے : اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ (اے نبیؐ! آپ پر بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے سلام، اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں) فرمایا۔ یعنے جس طرح آپؐ نے بارگاہِ الٰہی میں تین تحفے : التحیاتؐ ، الصلوٰتؐ اور الطیباتؐ پیش کئے تو اس طرح اللہ تعالےٰ کی طرف سے بھی تین انعام عطا ہوئے سلامؐ ، رحمتؐ اور برکاتؐ ۔ چونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قلبِ مبارک اپنے اُمتیوں کی محبت و رافت سے معمور تھا تو آپؐ نے موقع و محل غنیمت سمجھ کر اس مقامِ قرب و اصطفا میں بھی اپنے اُمتیوں اور پیروؤں کو فراموش نہیں کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ کے مذکورہ تینوں انعاموں میں اُن کو شامل فرماکر : اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ (ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندوں پر سلام ہو) کہا ۔ فرشتوں نے حبیب

ومحبوب اور خالق ومخلوق کا یہ عجیب منظر دور ہی دور سے اپنے صفائی ذہنی کی بناء پر مشاہدہ کیا تو انہوں نے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کا عالمِ ملکوت میں شور اُٹھایا۔ چنانچہ التحیات الخ کے یہ کلمات اس قدر مقبول ومنظور ہوئے کہ نماز کے ہر تشہدؔ میں ان کا پڑھنا لازم قرار دیا گیا تاکہ معراج کا اصلی مقصد معلوم ہو جائے کہ عبدیت وبندگی کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ چونکہ ہم حقیقی معراجِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح نہیں کرسکتے تو کم از کم اس مقدس مقام کے کچھ کلمات تشہدؔ میں اس غرض کے لئے رکھے گئے کہ نماز پڑھنے والے کے دل ودماغ میں معراج کا منظر اور عبدیتؔ کا بلند درجہ ذہنوں اور دماغوں میں آجائے۔ اس لئے نماز کو معراج المومنین کہتے ہیں۔ حضرت رومیؒ رحمہ اللہ ہمیں بطور نصیحت فرماتے ہیں : ع

ہر کہ روی یار در دُنیا ندید ∴ ہم نہ بیند او بعقبیٰ اے مُرید

(جو دنیا میں خدا تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہا وہ آخرت

ہیں بھی اس سے محروم رہے گا۔)

جدِّ جہدم بود بہر روی یار ؞ نے زبہرِ علمِ رسمی گو شدار

(میری، یعنے انسانِ کامل کی ساری کوششیں حقیقی دوست مولائے کریم کے دیدار کے لئے ہونی چاہیئے اور ہماری کوشش علمِ رسمی، پیٹ پالنے اور لوگوں کا خون چوسنے کے لئے نہیں ہونے چاہیئے۔)

اور جو کوئی اپنے علم کو بحث و مباحثہ، فخر و ادّعا اور مالِ دُنیا کے لئے حاصل کرے گا تو وہ شخص فرعون کی طرح دریائے نیل میں جا ڈوبا اور علم دین اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ع

ہر کہ در بند قیل و قال گشت

ہمچو فرعون غرق اندر نیل گشت

مگر افسوس! ہم سب اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم ہیں، کیونکہ حجابات کا تسلّط ہمارے دل و دماغ پر اس قدر چھایا ہوا اور حاوی ہے کہ اب اُن سے چھٹکارا پانا ناممکن ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ ع

جُملہ عالَم در حجاب اندر حجاب
ورنہ دِلبر اظہر است از آفتاب

سارے عالَم پر حجاب اور پردے پڑ چکے ہیں، ورنہ محبوبِ حقیقی آفتاب سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

بہر حال شبِ معراج میں اس دیدارِ خاص کے بعد اُمت مرحومہ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کتنی نمازیں آپؐ کی اُمت پر فرض ہوئیں؟ آپؐ نے فرمایا: کہ پچاس نمازیں۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: کہ آپؐ کی اُمت پچاس نمازوں کی تاب نہیں لائے گی، کیونکہ میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔ لہٰذا آپؐ واپس جائیے اور کمی و تخفیف کی اللہ جلَّ شانہٗ سے استدعا فرمایئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پھر کبریا کے دربار میں عرض کرتے ہیں، تو پانچ نمازیں کم کی جاتی ہیں۔ پھر آپؐ واپس تشریف لاتے ہیں تو حضرت موسیٰؑ پھر عرض کرتے ہیں: وقت ہے کہ آپؐ دوبارہ تخفیف اور کمی کی درخواست کیجیے۔ چنانچہ پھر پانچ نمازیں معاف ہوئیں

آمد و رفت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں، اور حکم ہوا کہ ہمارا حکم اٹل ہے وہ بدلنے والا نہیں ہے لہذا پانچ نمازوں کو پورے پچاس نمازوں کا ثواب مل جائے گا۔ بعض روایتوں میں بجائے پانچ پانچ کے دس دس نمازوں کی کی تخفیف کئے جانے کا ذکر ہے اور جس روایت سے یہ مذکور ہے اُس کا راوی شریک ہے۔ اور جس روایت میں پانچ پانچ کا ذکر ہے اس کے راوی ثابت البنانی اور قتادہ ہیں، اور یہ دونوں شریک سے زیادہ قوی اور اثبت ہیں۔ اسکی تصریح خازن میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں:

وان روایۃ العشر فھی روایۃ شریک و روایۃ الخمس روایۃ ثابت البنانی و قتادہ وھما اثبت من شریک ... الخ (تفسیر خازن ص۱۱، جلد چہارم)

لیلۃ المعراج، کے انعامات و عطایا میں خواتیم سورۃ البقرہ ہیں

شب معراج میں جو روحانی انعامات و عطایا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئے ہیں وہ سورہ بقرہ کی یہ آخری آیتیں ہیں:۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ
رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا
كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا
بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى
الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○

ترجمہ:۔

"پیغمبر اس پر ایمان لایا جو قدرت کی طرف سے نازل ہوا اور تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لے آئے۔ یہ سب کے سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اسکی کتابوں اور اسکے پیغمبروں پر ایمان لائے اور مسلمان کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور تسلیم کریں اور بعض کو نہ مانیں اور انکے تسلیم کرنے سے ہچکچائیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سُنا اور انکی اطاعت کی۔ تو اے ہمارے پروردگار! ہم پر بخشش فرما اور تیری ہی طرف ہم کو لوٹنا ہے خدا تعالیٰ کسی شخص پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

جس نے اچھے کام کئے تو اس نے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے
کئے اور جس نے برُے کام کئے تو اس نے اپنے ہی ضرر کے لئے
کئے۔ اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں
تو اس کی باز پرس اور جواب طلبی ہم سے نہ فرمایئے۔ اے
ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح بوجھ نہ ڈال جس طرح ہم سے
پہلوں پر تُو نے ڈالدیا۔ اے ہمارے پروردگار! اور اتنا بوجھ ہم
پر نہ ڈال جس کے اُٹھانے اور برداشت کرنے کی ہمیں طاقت
نہیں اور ہمارے قصوروں کو بخش دیجئے اور ہمیں مغفرت فرمایئے اور
ہم پر رحم فرما تُو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ آپ ہم کو ان لوگوں
کے مقابلہ میں مدد فرما جو تیرے مُنکر ہیں۔"

یہ تھا مختصر ترجمہ خواتیم آیات البقرہ کا۔

کہا جا سکتا ہے کہ ان آیات میں اتنی کیا خوبیاں ہیں کہ یہ
اس متبرک شب میں آپؐ کو عطا ہوئیں؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے:

اوّلاً :- یہ آیات اصولِ ایمانی اور ضوابطِ اعتقاد پر مشتمل ہیں۔

ثانیاً :- حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام مسلمانوں
کے عقائدِ دینیہ میں ہم آہنگی اور مساوات قرار دی گئی۔ اس میں

وہ تمام امتیازات ختم کئے گئے جو طبقاتی کشمکش پیدا ہونے کے باعث بن جاتے ہیں۔

ثالثاً :- ان آیات میں اس بات کی تعلیم ہے کہ ہر چند پیغمبر آخر الزمان صاحبِ المعراج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام سابقہ ادیان و مِلَل کے لئے ناسخ ہیں، پھر بھی تمام پیغمبروں کی عزت و احترام اور ان کے تقدس میں تفریق نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے دُنیا میں باہمی صلح اور عالمی امن قائم کرنے میں جو مدد ملے گی وہ ظاہر ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ ضروری ہے کہ اتباع و پیروی صرف حضرت صاحبِ معراج کی ہونی چاہیئے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

رابعاً :- اِن آیات میں ہدایت ہے کہ مسلمانوں کو ربانی احکام کے سامنے سرِ اطاعت خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور یہ کہ اس کے احکام کے سامنے مادیّت و فلسفیّت کی کج بحثی کرنا باعث محرومی ہے۔

خامساً :- ان آیات میں تکلیفِ مالا یُطاق کی نفی ہے، یعنے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو ایسے سخت احکام کا بھی پابند بنا سکتا ہے جن پر عمل کرنا بندوں کیلئے مشکل ہو گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ خالص لطف و فضل ہے کہ وہ بندوں کو ایسے احکام نہیں دیتا۔

سَادِساً :۔ آیاتِ مذکورہ میں اس بات کی تعلیم ہے کہ بندوں کو اپنے خدا الملک الجبار کے سامنے ہمیشہ دست بدعا ہونا چاہیئے اور حقیقی کار ساز اسی کو سمجھنا چاہیئے۔ مذکورہ آیات میں بشارت ہے کہ سابقہ امتوں کے مقابلہ میں اس امت کے احکام نہایت سہل اور آسان ہونگے۔

سَابِعاً :۔ خواتیم بقرہ میں اس بات کی بھی خوشخبری ہے کہ جو غلطیاں ابناءِ آدم سے بھول چوک سے سرزد ہونگی وہ معاف ہونگی، اور ان پر عذاب وعتاب نہیں ہوگا۔

ثَامِناً :۔ ان آیات میں آئندہ کے لئے فتح ونصرت اور دین اسلام کے غالب آنے کی بشارت ہے۔

ہاں اس جگہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ سورۂ بقرہ پورے طور پر مدنی ہے اور معراج کا واقعہ مکہ میں پیش آیا، پھر ان آیاتِ مقدسہ کا شبِ معراج میں مرحمت ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آیاتِ مذکورہ اگرچہ نزول کے اعتبار سے مدنی ہیں مگر ان کا مفہوم ومعنے یہ سب شبِ معراج میں عطا کیا ہے اور اس رات جو اسرار ومعارف آپؐ کو عنایت ہوئے ان کے متعلق انشاء اللہ حصۂ دوم میں تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

چوتھا سوال : کہ معراجِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو کیا درس دیا اور کون سا سبق سکھایا ہے ؟

اس سوال کا جواب گو سابقہ سطروں میں آچکا ہے مگر مندرجہ ذیل لفظوں میں اس جواب کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے :

۱ ۔ یہ کہ فرزندِ آدمؑ کو چاہیئے کہ کسی ترقی پر پہنچکر کبھی سکون و قرار اپنا شیوہ و عادت نہ بنائے بلکہ ہر اونچی سے اونچی منزل پر فائز ہو کر عالمِ ناسوت، عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت کے منازل پاکر عالمِ لاہوت سے اپنا رابطہ قائم کرے ۔ یہاں تک کہ حقیقۃُ الحقائق، علۃُ العلل، مبدأ فیاض پروردگارِ عالم کے قرب حاصل کرکے دُنیا وما فیہا سے مستغنی و بے نیاز ہو جائے اور ساری کائنات اس کے لئے مسخر اور تابع بن جائے ۔ اس سلسلے میں آدمی کتنا ہی بڑا عالم و فاضل اور فلسفی اور سیاستدان ہی کیوں نہ ہو مگر وہ اپنے مرکز اور سرچشمۂ آبِ رحمت کے طلب حصول میں اسی طرح بے قرار اور بے چین رہے کہ جس طرح جمادات، نباتات اور حیوانات ہوتے ہیں اور ان سے سبق اور درسِ عبرت حاصل کرے کہ وہ اس کے مقابلہ میں کمترین موجودات و مخلوقات ہوتے ہوئے بھی اپنے اصل سے ملنے کیلئے بے تاب و بے قرار ہوتے ہیں

تو انسان کو ان سے کہیں زیادہ اپنے اصل و مرکز کی تمنا و آرزو ہونی چاہیے۔

۲۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانی سفر کر کے روحانیت کا وہ حظ اور مقام حاصل کیا جس سے تمام عقلمند اور بڑے بڑے فلاسفر دنگ اور عاجز رہ گئے اور آپ نے عالم بالا کی طرف پرواز کر کے اُس عہد کے فلاسفہ کے قواعد و کلیات اپنی پیغمبرانہ روحانی قوت اور قلبی معرفت سے تہ زمین دفن کئے جن کے تحت آسمانوں کا خرق و التیام محال اور ناممکن بتاتے تھے۔ اور کرۂ ناریہ و زمہریریہ کو عالم ارضی سے عالم بالا کی پرواز کی طرف حائل اور مانع قرار دیتے تھے۔

۳۔ معراج محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے بنی نوع انسان کو عالم علوی کے سفر کرنے کی طرف دعوت دی، اور اپنے عمل سے بتایا کہ کوئی چیز دنیا میں ناممکن اور محال نہیں۔

۴۔ اسی تصور نے زمانہ حال کے ان بڑے بڑے فلاسفہ کو وجود میں لایا جنہوں نے چاند کو بھی پاؤں تلے روندھا اور پامال کیا اور مریخ کی طرف پرواز کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

۵۔ معراج محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی نوع انسان کو یہ بات سمجھنے کی دعوت دیتی ہے کہ انسانی نفس و روح اور دل و دماغ کو

معطل نہیں چھوڑنا چاہیئے، بلکہ حقیقی انسانیت اسی وقت ہاتھ آئیگی جبکہ بندہ کو ربُّ العالمین کا وصال و رضامندی حاصل ہو جائے۔

۶۔ معراج نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پیغمبری اور رسالت کی شان دو بالا ہوتی ہے اور خاصکر اس سے لوگوں کو اس بات کی دعوت ملتی ہے کہ صاحبِ معراجؐ ہی آخری پیغمبرؐ آخری معلّم، تدبیرِ روح کے آخری شفا دہندہ اور نجات ابدی کے آخری علمبردار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ لہٰذا آپکی اطاعت اور فرمانبرداری تمام بنی نوعِ انسان پر فرض ہے۔

نوٹ :۔ جب آپؐ اسراء و معراج کے عظیم المرتبہ معجزہ کا شرف پاکر مکۂ مکرمہ میں واپس تشریف فرما ہوئے اور حجر کے مقام پر نزول اجلال فرمایا (حجر وہ جگہ ہے جہاں قریش کے سرکردہ لوگ بیٹھا کرتے تھے) تو آپؐ کے دلِ مبارک میں یہ خیال گزرا کہ میں اسراء و معراج کے واقعات مکّہ والوں سے بیان کرونگا تو وہ اور بھی زیادہ تکذیب کرینگے۔ چنانچہ امام بغوی کی روایت کے مطابق لَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ أُسْرِیَ بِہٖ وَکَانَ بِذِیْ طُوٰی قَالَ یَا جِبْرَئِیْلُ اِنَّ قَوْمِیْ لَا یُصَدِّقُوْنِیْ قَالَ یُصَدِّقُکَ اَبُوْبَکْرٍ وَھُوَ الصِّدِّیْقُ ۔الخ* تو آپؐ نے واپسی پر مقام طُویٰ میں حضرت جبرئیل امینؑ سے فرمایا کہ میری قوم میرے اس

* زادالمصطفیٰ

میں پڑ گئے اور جو ایمان میں ابھی پختہ نہیں تھے، وہ بھی دین سے پھر گئے۔ اسی اثناء میں مکہ کے اُن تاجروں نے مسجدِ اقصیٰ کے نشانات پوچھے جو وہاں جایا کرتے تھے۔ تو آپؐ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے لئے مشکلات سامنے آ گئے کیونکہ آپ مسجدِ اقصیٰ کی چھت کی کڑیاں اور اس کے طاق گننے کیلئے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت دیکھئے کہ آپؐ کے سامنے مسجدِ اقصیٰ کا نقشہ ہی اسطرح پیش کیا گیا کہ کفار سوالات کرتے جاتے ہیں اور آپؐ دید بادید جوابات عنایت فرماتے ہیں۔ چنانچہ سب نے کہا کہ مسجدِ اقصیٰ کے علامات تو ٹھیک بتائے۔ مکہ کا ایک قافلہ شام کو گیا ہوا تھا، لوگوں نے اس کے متعلق پوچھا: فرمایا! ہاں اس کو بھی دیکھا، بلکہ دو شخصوں کے متعلق فرمایا کہ اُن کے پیالہ میں پانی تھا، مجھے پیاس لگی تھی تو میں نے پانی پی کر پیالہ خالی وہاں رکھ چھوڑا۔ پوچھا کہ قافلہ کب تک مکہ واپس پہنچ جائے گا؟ فرمایا: کچھ دیر تک۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اعتراض کرنے والوں اور شک و تذبذب میں پڑنے والوں کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کبھی آپؐ اسراء و معراج

کو بروح وجسد سمجھتے تھے ورنہ وہ ایسے سوالات ہی نہ کرتے کیونکہ خواب میں انسان بہت کچھ دیکھتا ہے جس پر اعتراضات نہیں ہوتے۔ بہر حال اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے ایک حصہ میں زمینوں، آسمانوں کی سیر اور اپنے دیدار سے وہ شرف بخشا ہے جو انسانی تاریخ میں اس نشان کے ساتھ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ وَاللّٰہُ علی کلِّ شیئٍ قدیرٌ۔

اور پھر جس پروردگار نے جس عظیم المراتبت پیغمبرؐ کے لیئے ساری کائنات پیدا کی تھی، تو آپؐ کو وہ عجائبات نہ دکھاتا تو اور کس کو دکھاتا۔ اس لیئے فصیحؔ نے آپؐ کی تعریف میں کیا خوب فرمایا ہے۔

نعتِ شریف

صلِّ علیٰ محمدؐ عاشقِ او خدای او ٭ صلِّ علیٰ محمدؐ جان و دلم فدای او

صلِّ علیٰ محمدؐ آنکہ خدا بیافرید ٭ صلِّ علیٰ محمدؐ ارض و سما برای او

صلِّ علیٰ محمدؐ آنکہ برفعت آمدہ ٭ صلِّ علیٰ محمدؐ عرش بزیر پای او

صلِّ علیٰ محمدؐ آنکہ ہمہ پیمبران ٭ صلِّ علیٰ محمدؐ آمدہ در لوائے او

صلِّ علیٰ محمدؐ آنکہ بجنتم خدا ٭ صلِّ علیٰ محمدؐ برد از لائے او

صلِّ علیٰ محمدؐ آنکہ نیاید از کسی ٭ صلِّ علیٰ محمدؐ در خورِ او ثنائے او

صلِّ علیٰ محمدٍ آنکہ دلِ حزینِ من ۔ صلِّ علیٰ محمدٍ دمبدم است جای او

صلِّ علیٰ محمدٍ جستہ جہاں رضای حق ۔ صلِّ علیٰ محمدٍ جستہ خدا رضای او

صلِّ علیٰ محمدٍ گشتہ رہا دل از بلا ۔ صلِّ علیٰ محمدٍ تا شدہ مبتلای او

صلِّ علیٰ محمدٍ آنکہ فصیح آمدہ

صلِّ علیٰ محمدٍ بر درِ او گدای او

درودِ تاج

(اس کا پڑھنا باعثِ برکت ہے۔)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ
التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ
وَالْقَحْطِ وَالْاَلَمِ اِسْمُهٗ مَكْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ مَّشْفُوْعٌ مَّنْقُوْشٌ
فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ سَیِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ جِسْمُهٗ مُقَدَّسٌ
مُّعَطَّرٌ مُّطَهَّرٌ مُّنَوَّرٌ فِی الْبَیْتِ وَالْحَرَمِ شَمْسِ الضُّحٰی
بَدْرِ الدُّجٰی صَدْرِ الْعُلٰی نُوْرِ الْهُدٰی كَهْفِ الْوَرٰی مِصْبَاحِ
الظُّلَمِ جَمِیْلِ الشِّیَمِ شَفِیْعِ الْاُمَمِ صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاللّٰهُ
عَاصِمُهٗ وَجِبْرِیْلُ خَادِمُهٗ وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهٗ وَالْمِعْرَاجُ

سَفَرُہٗ وَ سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی مَقَامُہٗ وَقَابَ قَوْسَیْنِ مَطْلُوْبُہٗ
وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُہٗ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ شَفِیْعِ
الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغُرَبَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ رَاحَۃِ
الْعَاشِقِیْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ شَمْسِ الْعَارِفِیْنَ سِرَاجِ
السَّالِکِیْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِیْنَ مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ
نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ وَ سِیْلَتِنَا فِی الدَّارَیْنِ صَاحِبِ
قَابَ قَوْسَیْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ وَالْمَغْرِبَیْنِ جَدِّ
الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ مَوْلٰنَا وَمَوْلَی الثَّقَلَیْنِ اَبِی الْقَاسِمِ
مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ نُوْرٍ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ یَا اَیُّھَا الْمُشْتَاقُوْنَ
بِنُوْرِ جَمَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ

(نوٹ :۔ "نُوْرٍ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ" نو مرتبہ پڑھا کیجیے، جیساکہ ہمیں فقیرِ ملت حضرت سید میرک شاہ صاحب کاشانی" کی اسی طرح اجازت ہے۔)

٭٭٭

-((حصہ اوّل تمام شد))-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ دوم!

نحمدک یا من رفع شان نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الارضین والسماوات العلیٰ ۔ الیٰ سدرۃ المنتہیٰ، الیٰ قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیہ ما اوحیٰ صلوات اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ ما دام یرجو بشفاعتہ الکبریٰ اصحاب السعادۃ والتقیٰ ۔

معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن و سنت واجماعِ امت کی روشنی میں تحقیقِ مزید

قرآن مجید کے ارشادات اور احادیثِ متواترہ سے جن کا ذکر آگے آتا ہے ثابت ہے کہ اسراء و معراج کا تمام سفر روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی تھا جیسے عام انسان سفر کرتے ہیں۔ قرآن کریم کے پہلے ہی لفظ سُبحان میں اس طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ یہ لفظ تعجب اور کسی عظیم الشان امر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر معراج صرف روحانی بطور خواب کے ہوتی تو اس میں کونسی عجیب بات ہے، خواب

تو ہر مسلمان بلکہ ہر انسان دیکھ سکتا ہے کہ میں آسمان پر گیا، فلاں فلاں کام کئے۔

دوسرا اشارہ لفظ عَبْد سے اسی طرح ہے کیونکہ عَبْد صرف روح نہیں بلکہ جسم و روح کے مجموعہ کا نام ہے اس کے علاوہ۔

واقعۂ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتلایا تو انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ آپؐ اس کا کسی سے ذکر نہ کریں ورنہ لوگ اور زیادہ تکذیب کریں گے۔ اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں تکذیب کی کیا بات تھی۔

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں پر اس کا اظہار کیا تو کفارِ مکہ نے تکذیب کی اور مذاق اُڑایا یہاں تک کہ بعض نومسلم اس خبر کو سُنکر مُرتد ہو گئے۔ اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو ان معاملات کا کیا امکان تھا اور یہ بات اس کے منافی نہیں کہ آپ کو اس سے پہلے اور بعد میں کوئی معراج روحانی بصورتِ خواب بھی ہوئی ہو۔ جمہورِ اُمت کے نزدیک آیتِ قرآنِ حکیم:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ میں رُؤیا سے

مراد رویت ہے، مگر اس کو بلفظِ رُؤیا (جو اکثر خواب دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔) تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس معاملہ کو تشبیہ کے طور پر رُؤیا کہا گیا ہو کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی خواب دیکھ لے، اور اگر رُؤیا کے معنی خواب ہی کے لئے جائیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ واقعۂ معراج جسمانی کے علاوہ اس سے پہلے یا پیچھے یہ معراجِ روحانی بطور خواب بھی ہوئی ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو اس کا واقعۂ خواب ہونا منقول ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معراج جسمانی نہ ہوئی ہو۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ احادیث اسرآء کی متواتر ہیں۔ اور نقاش نے بیس۲۰ صحابۂ کرامؓ کی روایات اس باب میں نقل کی ہیں، اور قاضی عیاض نے شفاء میں اور زیادہ تفصیل دی ہے۔ (قرطبی)

اور امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان تمام روایات کو پوری جرح و تعدیل کے ساتھ نقل کیا ہے، پھر پچیس۲۵ صحابۂ کرامؓ کے اسماء ذکر کئے ہیں جن سے یہ روایات منقول ہیں۔ ان کے اسماء یہ ہیں:

(۱) حضرت عمر ابن خطاب (۲) حضرت علی مرتضٰی (۳) حضرت ابن مسعود (۴) حضرت ابوذر غفاری (۵) حضرت مالک بن صعصعہ (۶) حضرت ابوہریرہ (۷) حضرت ابوسعید (۸) حضرت ابن عباس (۹) حضرت شداد بن اوس (۱۰) حضرت ابی بن کعب (۱۱) حضرت عبدالرحمٰن بن قرظ (۱۲) حضرت ابوحبہ (۱۳) حضرت ابو لیلےٰ (۱۴) حضرت عبداللہ بن عمر، (۱۵) حضرت جابر بن عبداللہ (۱۶) حضرت حذیفہ بن یمان (۱۷) حضرت بریدہ (۱۸) حضرت ابو ایوب انصاری (۱۹) حضرت ابو امامہ (۲۰) حضرت سمرہ بن جندب (۲۱) ابو الحمراء (۲۲) حضرت صہیب الرومی (۲۳) حضرت اُمِّ ہانی (۲۴) اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (۲۵) اسماء بنتِ ابوبکر رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔ اس کے بعد حضرت ابن کثیر رحمۃ اللہ نے فرمایا:

فحدیث الاسراء اجمع علیہ المسلمون واعرض عنہ الزنادقۃ والملحدون (ابنِ کثیر)	واقعہ اسراء کی حدیث پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، صرف ملحد و زندیق لوگوں نے اس کو نہیں مانا ۔“

مختصر واقعۂ معراج حضرت ابنِ کثیرؒ کی روایات سے مزید معلومات

امام حضرت ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور احادیثِ متعلقہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفرِ اسرآء بیداری میں پیش آیا، خواب میں نہیں۔ مکّہ مکرمہ سے بیتُ المقدّس تک یہ سفر بُراق پر ہوا۔ جب دروازہ بیت المقدس پر پہنچے تو بُراق کو دروازہ کے قریب باندھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد بیتُ المقدس میں داخل ہوئے اور اس کے قبلہ کی طرف تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا فرمائیں، اس کے بعد ایک زینہ لایا گیا جس میں نیچے سے اُوپر جانے کے درجے بنے ہوئے تھے۔ اُس زینہ کے ذریعہ آپ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے (اس زینہ کی حقیقت تو اللہ تعالےٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیا اور کیسا تھا آج کل بھی زینہ کی بہت سی قسمیں دُنیا میں رائج ہیں۔ ایسے زینے بھی ہیں جو خود حرکت میں لفٹ کی صورت کے زینے بھی ہیں۔ اس معجزانہ زینہ کے متعلق

کسی شک و شبہہ میں پڑنے کا مقام نہیں)۔ ہر آسمان میں وہاں کے فرشتوں نے آپؐ کا استقبال کیا اور ہر آسمان میں ان انبیاءِ کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جن کا مقام کسی معین آسمان میں ہے۔ مثلاً چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان میں حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تمام انبیاء کرامؑ کے مقامات سے بھی آگے تشریف لے گئے اور ایک ایسے میدان میں پہنچے جہاں قلم تقدیر کے لکھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، اور آپؐ نے سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر اللہ جلّ شانہٗ کے حکم سے سونے کے پروانے اور مختلف رنگ کے پروانے گر رہے تھے اور جسکو اللہ کے فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا۔ اسی جگہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی اصلی شکل میں دیکھا جن کے چھ سو (۶۰۰) بازو تھے اور وہیں ایک رفرف سبز رنگ کا دیکھا جس نے اُفق کو گھیرا ہوا تھا۔ رفرف: مسندِ سبز، ہرے رنگ کی پالکی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیت المعمور کو دیکھا جس کے پاس بانئ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار سے پشتِ مبارک لگائے بیٹھے

تھے۔ اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جن کی باری دوبارہ داخل ہونے کی قیامت تک نہیں آتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنّت اور دوزخ کا بچشم خود معائنہ فرمایا۔ اس وقت آپؐ امّت پر اول پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا پھر تخفیف کر کے پانچ نمازیں کر دی گئیں، اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیّت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس بیت المقدس میں اُترے اور جن انبیاء کرام علیہم السّلام کیساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپؐ کے ساتھ اُترے (گویا) آپؐ کو رخصت کرنے کیلئے بیت المقدس تک ساتھ آئے۔ اس وقت آپؐ نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب حضرات انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی رات صبح کی ہو۔ حضرت ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امامتِ انبیاءؑ کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السّلام سے ملاقات کے واقعہ میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاءؑ سے حضرت جبرئیل امینؑ

نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کرایا۔ اگر واقعۂ امامت پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی، اور یوں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سفر کا اصلی مقصد ملاءِ اعلیٰ میں جانے کا تھا، پہلے اسی کو پورا کرنا اقرب معلوم ہوتا ہے پھر جب اس اصل کام سے فراغت ہوئی تو تمام انبیاء علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشایعت (رخصت) کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرئیل امین ؑ کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ ؐ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا عملی ثبوت دیا ہے۔

اس کے بعد حضرت صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر اندھیرے وقت میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔
(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

واقعۂ معراج کے متعلق ایک غیر مسلم کی عینی شہادت

تفسیر ابن کثیرؒ میں ہے کہ حافظ ابن نعیم اصبہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں محمد بن عمر واقدی کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامۂ مبارک دے کر حضرت دحیہ ابن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا

اس کے بعد حضرت وحیہ رضؓ کے خط پہنچانے اور شام روم تک پہنچنے اور اس کے صاحبِ عقل و فراست ہونے کی تفصیلی واقعہ بیان کیا جو صحیح بخاری اور حدیث کی سب سے معتبر کتب میں موجود ہے جس کے آخر میں ہے کہ شاہ روم ہرقل نے نامہ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کی تحقیق کرنے کے لئے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے، شاہی حکم کے مطابق ابو سفیان ابن حرب اور ان کے رفقاء جو اس وقت مشہور تجارتی قافلہ لے کر شام میں آئے ہوئے تھے، وہ حاضر کئے گئے۔ شاہ ہرقل نے ان سے وہ سوالات کئے جن کی تفصیل صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ ابو سفیان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کریں جن سے آپ کی حقارت اور بے حیثیت ہونا ظاہر ہو۔ مگر ابو سفیان کہتے ہیں کہ مجھے اپنے اس ارادہ سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا کھل جائے اور

میں بادشاہ کی نظر سے گر جاؤں اور میرے ساتھی کبھی ہمیشہ مجھے جھوٹا ہونے کا طعنہ دیا کریں۔ البتہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ اس کے سامنے واقعہ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لیگا۔ تو میں نے کہا کہ میں ان کا ایک معاملہ آپ سے بیان کرتا ہوں جس کے متعلق آپ خود معلوم کرلیں گے کہ وہ جھوٹ ہے۔ ہرقل نے پوچھا کہ وہ کیا واقعہ ہے: ابوسفیان نے کہا کہ یہ مدعی نبوّت یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور پھر اسی رات میں صبح سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس پہنچ گئے۔

ایلیاء (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم اس وقت شاہ روم ہرقل کے سرہانے پر قریب کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں اس رات سے واقف ہوں۔ شاہ روم اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپ کو اس کا علم کیسے اور کیونکر ہوا، اس نے عرض کیا کہ میری عادت تھی کہ میں رات کو اس وقت تک سوتا نہیں تھا جب تک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کردوں۔ اس رات میں نے حسبِ عادت تمام دروازے بند کردئے

مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا تو میں نے اپنے محلہ کے لوگوں کو بلایا۔ انہوں نے ملکر کوشش کی مگر وہ ان سے بھی بند نہ ہو سکا دروازے کے کواڑ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں۔ میں نے عاجز ہو کر کاریگروں اور بڑھئیوں کو بلوایا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ ان کواڑوں کے اوپر دروازہ کی عمارت کا بوجھ پڑ گیا ہے اب صبح سے پہلے اس کے بند ہونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ صبح کو ہم دیکھیں گے کہ کس طرح کیا کیا جاوے۔ میں مجبور ہو کر لوٹ آیا اور دونوں کواڑ اس دروازے کے کھلے رہے۔ صبح ہوتے ہی میں پھر اس دروازہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ مسجد کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں روزن کیا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جانور باندھ دیا گیا ہے۔ اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ آج اس دروازہ کو اللہ تعالیٰ نے شاید اس لئے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنے والے تھے۔ اور پھر بیان کیا کہ اس رات آپ نے ہماری مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے اس کے بعد اور تفصیلات بیان کی ہیں...."

اسراء و معراج کی تاریخ

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ معراج کی تاریخ میں روایات بہت مختلف ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے چھ ماہ قبل پیش آیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہ اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات نمازوں کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے ہو چکی تھی۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کا واقعہ معراج بعثت نبویؐ کے سات سال بعد ہوا ہے۔ ابن اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ واقعۂ معراج اس وقت پیش آیا جبکہ اسلام عام قبائلِ عرب میں پھیل چکا تھا۔ ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ واقعۂ معراج ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے کا ہے۔

حربیؒ کہتے ہیں کہ واقعہ اسراء و معراج ربیع الثانی کی ۲۷ (ستائیسویں شب) تاریخ میں ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے اور ابن قاسم ذہبی کہتے ہیں کہ بعثت سے اٹھارہ ۱۸ مہینے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ حضرات محدثین نے روایاتِ مختلفہ ذکر کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کن چیز نہیں لکھی، اور مشہور عام طور پر یہ ہے

کہ ماہ رجب کی ستائیسویں شب، شبِ معراج ہے ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آسمانوں کی سیر و سیاحت کا بیان اور آدمؑ و دیگر انبیاء کرامؑ کا تعارف

(از سیرت حلبیہ اردو)

ایک روایت ہے جس کی سند میں حافظ ابن حجرؒ کے کہنے کے مطابق کمزوری ہے کہ (آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا) حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب ایک دروازہ ہے جس میں سے بہترین خوشبوئیں آرہی ہیں، اور ایک بائیں جانب دروازہ ہے جس میں سے سخت بدبو آرہی ہے۔ جب حضرت آدمؑ اپنی دائیں جانب کے اس دروازے کو دیکھتے ہیں تو ہنسنے لگتے ہیں، اور خوش ہو جاتے ہیں، اور بائیں جانب کے اس دروازے کی طرف دیکھتے ہیں تو غمگین ہو جاتے اور رونے لگتے ہیں۔

آدم علیہ السلام سے تعارف | آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھ کر سلام کیا، تو انہوں نے کہا: "نیک بیٹے اور صالح نبی

کو مرحبا ہو۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا: یہ کون بزرگ ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا:

"یہ آپؐ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دونوں طرف ہواؤں کے یہ جھونکے ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ پھر انہوں نے مزید کہا۔ دائیں جانب کی روحیں جنتیوں کی ہیں اور بائیں جانب کی روحیں دوزخیوں کی ہیں۔ اسی لئے وہ جب اپنی دائیں طرف یعنی اپنی جنتی اولاد کو دیکھتے ہیں تو ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب یعنی اپنی دوزخی اولاد کو دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے اور رونے لگتے ہیں۔"

ایک روایت میں حضرت جبرئیلؑ نے یہ بھی کہا کہ:

"یہ دروازہ جو اُن کے دائیں جانب ہے جنت کا دروازہ ہے جب وہ اس شخص کو دیکھتے ہیں جو اس میں داخل ہوگا تو ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور ان کے بائیں جانب جو دروازہ ہے وہ دوزخ کا دروازہ ہے جب وہ اس شخص کو دیکھتے ہیں جو اس میں داخل ہوگا تو غمزدہ ہو جاتے ہیں اور رونے لگتے ہیں۔"

یہاں مراد یہ ہے کہ جب اپنی اولاد میں اس شخص کی روح

کو مرحبا ہو۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا: یہ کون بزرگ ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا:

"یہ آپؐ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دونوں طرف ہواؤں کے یہ جھونکے ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ پھر انہوں نے مزید کہا۔ دائیں جانب کی روحیں جنتیوں کی ہیں اور بائیں جانب کی روحیں دوزخیوں کی ہیں۔ اسی لئے وہ جب اپنی دائیں طرف یعنی اپنی جنتی اولاد کو دیکھتے ہیں تو ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب یعنی اپنی دوزخی اولاد کو دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے اور رونے لگتے ہیں۔"

ایک روایت میں حضرت جبرئیلؑ نے یہ بھی کہا کہ:

"یہ دروازہ جو انؑ کے دائیں جانب ہے جنت کا دروازہ ہے جب وہ اس شخص کو دیکھتے ہیں جو اس میں داخل ہوگا تو ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور ان کے بائیں جانب جو دروازہ ہے وہ دوزخ کا دروازہ ہے جب وہ اس شخص کو دیکھتے ہیں جو اس میں داخل ہوگا تو غمزدہ ہو جاتے ہیں اور رونے لگتے ہیں۔"

یہاں مراد یہ ہے کہ جب اپنی اولاد میں اس شخص کی روح

کو دیکھتے ہیں ......

اس روایت پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جنّت تو ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہے جبکہ اوپر دُنیا ہے، اس لئے جنّت اور جہنم کے دروازے آسمانِ دُنیا پر کیسے ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ جیسا کہ بیان ہوا کہ کفّار کی روحوں کیلئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔

اس شبہ میں دوسرے جز کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں کفّار کی رُوحیں ان کے سامنے پیش کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جبکہ وہ آسمانِ دُنیا سے نیچے ہی ہیں اور نظر اس لیے پڑ جاتی ہے کہ آسمان شفاف ہے جس میں سے آرپار دیکھا جا سکتا ہے۔ یا یہ کہ آسمانِ دُنیا کے دروازے میں سے کافر روحوں پر ان کی نظر پڑ جاتی ہے۔

جہاں تک حدیث کے ان الفاظ کا تعلق ہے کہ وہ حضرت آدم کے بائیں جانب تھے اس کا مطلب یہ (نہیں ہے کہ وہ ان کے پاس تھے بلکہ مطلب یہ) ہے کہ ان کی بائیں سمت

کو دیکھتے ہیں ....

اس روایت پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جنّت ساتویں آسمان کے اُوپر ہے اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہے جس کے اُوپر دُنیا ہے، اس لئے جنّت اور جہنم کے دروازے آسمانِ دُنیا پر کیسے ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ جیسا کہ بیان ہوا کہ کفّار کی روحوں کیلئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔

اس شبہ میں دوسرے جز کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں کفّار کی رُوحیں ان کے سامنے پیش کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جبکہ وہ آسمانِ دُنیا سے نیچے ہی ہیں اور نظر اس لئے پڑ جاتی ہے کہ آسمان شفاف ہے جس میں سے آر پار دیکھا جا سکتا ہے۔ یا یہ کہ آسمان دُنیا کے دروازے میں سے کافر روحوں پر ان کی نظر پڑ جاتی ہے۔

جہاں تک حدیث کے ان الفاظ کا تعلق ہے کہ وہ حضرت آدمؑ کے بائیں جانب تھے اس کا مطلب یہ (نہیں ہے کہ وہیں ان کے پاس تھے بلکہ مطلب یہ) ہے کہ ان کی بائیں سمت

میں نظر آتے تھے۔

پہلے شبہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی دائیں جانب جو دروازہ تھا وہ شاید ساتویں آسمان پر۔ اس جگہ کی بالکل سیدھ میں تھا جہاں جنّت ہے اس لئے چونکہ اس دروازے میں سے جنت نظر آتی تھی، اس لئے اس کو جنت کا دروازہ کہدیا گیا۔ یہی بات جہنم کے دروازے کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے (کہ وہ دروازہ جو آدمؑ کی بائیں جانب تھا، شاید ساتویں زمین کی اس تہہ کی سیدھ میں تھا اور اس میں سے جہنم کا حال نظر آتا تھا، اس لئے اس کو جہنم کا دروازہ کہدیا گیا) کیونکہ جہاں تک اضافت اور نسبت کا تعلق ہے تو تھوڑے سے قرب کی وجہ سے نسبت کر دی جاتی ہے (جیسے مثلاً آدمی ریل میں سفر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہماری گاڑی فلاں وقت چلی جب کہ ظاہر ہے کہ محض گاڑی میں بیٹھنے کی وجہ سے گاڑی اس کی نہیں ہوئی، مگر وہ اس تھوڑی سی قربت کی وجہ سے اس کی نسبت اپنی طرف کر لیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ ان دروازوں سے جنّت اور جہنم کا حال نظر آتا تھا، یا یہ ان کی سیدھ میں تھے

اس لئے ان کو جنت اور جہنم کے دروازے کہہ دیا گیا)

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں کافر روحوں کے ان کی بائیں جانب ہونے کے متعلق جو جواب دیا گیا ہے اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ کے گذشتہ قول کے ذریعہ جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

یہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نظر آنے والی روحوں ہیں وہ روحیں بھی تھیں جو ابھی تک اپنے جسموں میں داخل بھی نہیں ہوئی تھیں۔ واضح رہے کہ روحیں جسموں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت آدمؑ نے یہ کیسے کہہ دیا یہ پاک روح ہے جو پاک جسم میں سے نکلی ہے۔ وغیرہ وغیرہ ان روحوں کا ٹھکانہ آدمؑ کے دائیں اور بائیں جانب تھا۔ اور آدم علیہ السلام کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ روحیں اپنے جسموں میں پہنچنے کے بعد کیا کرینگے اور کونسا راستہ اختیار کرینگے۔

اسی طرح اس جواب کی بھی ضرورت نہیں رہتی جو اس سلسلے میں علامہ قرطبیؒ نے دیا ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ اصل میں وہ کفار جن کی روحوں کے لئے آسمانوں کا دروازہ نہیں کھلتا ان

سے مراد مشرکین ہیں۔ اس لئے وہ کافر روحیں جنکو حضرت آدم علیہ السلام نے آسمانِ دُنیا میں دیکھا اہل کتاب میں کے کافروں کی رہی ہوں گی۔ (یعنی ایسے کفار جو کسی نبی علیہ السلام کے پیرو اور کسی آسمانی کتاب اور شریعت پر عمل کرنیوالے نہیں ہیں انکی روحیں آسمانوں پر نہیں پہنچ سکتیں۔ لیکن وہ کفار جو پچھلے نبیوں میں سے کسی نبی اور اس کی کتاب و شریعت پر عمل کرتے ہیں، اگرچہ اسلام آنے کے بعد وہ بھی کافر ہیں مگر ان کی روحیں ان کے مرنے کے بعد آسمانوں میں پہنچ سکتی ہیں اور آدم علیہ السلام آسمانِ دُنیا پر اپنی اولاد میں جن کافروں کی روحیں دیکھتے ہیں وہ ان ہی اہلِ کتاب کی روحیں ہوتی ہیں۔ مثلاً یہودی اور عیسائی قومیں ہیں کہ اسلام کے بعد یہ کافر تو ہیں، مگر اہلِ کتاب ہیں۔ اسی لئے دوسرے مشرکوں کے مقابلے میں یہ کفار مسلمانوں کے قریب ہیں اور ان کی لڑکیوں سے مسلمان مردوں کی شادی ہو سکتی ہے، اگرچہ اُن کے مردوں سے مسلمان عورت کی شادی جائز نہیں ہے۔ لیکن علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اہلِ کتاب کی یہ روحیں گذشتہ اور آئندہ سب لوگوں کی ہوں۔) یہاں دونوں

گذشتہ روایتوں میں یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان روحوں سے مراد صرف وہ روحیں ہوں جو اپنے جسموں میں سے نکل چکی ہیں کیونکہ ان روایتوں کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

یتیموں کا مال کھانے والے غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ وہاں میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان کے ہاتھوں میں پتھروں کی طرح بڑے بڑے انگارے تھے، یعنے اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک ایک انگارے میں ان کا ہاتھ بھر گیا تھا۔ وہ لوگ ان انگاروں کو اپنے منہ میں ڈالتے تھے اور پھر یہ پاخانے کے راستے نکل جاتے تھے ــــ میں نے یہ منظر دیکھکر جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں ــ؟ انہوں نے کہا:

"یہ وہ لوگ ہیں جو زبردستی اور ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں"۔

ان لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر نہیں دیکھا تھا۔(یہ) یہاں لوگوں سے مراد غالباً وہ شخص ہی ہیں (انُ کی روحیں نہیں) اور یا انُ کو خاص طور پر یہاں اسلئے دکھلایا گیا کہ ان میں اکثریت یتیموں کے والیوں اور ذمہ داروں کی تھی۔

سُود خوار لوگ

پھر حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ اس کے بعد میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے پیٹ ایسے تھے کہ ان جیسے پیٹ میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے گھروں کی کوٹھڑیاں اور کمرے ہوتے ہیں۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوتے تھے۔ یہ لوگ آل فرعون کے راستے میں پڑے ہوئے تھے، اور آل فرعون کو جب دوزخ میں ڈالنے کے لئے لے جایا جاتا تھا تو وہ پیاس اور دیوانگی سے بلبلاتے ہوئے اونٹوں کی طرح ان بڑے پیٹ والوں کو بری طرح روندتے اور کچلتے ہوئے ان کے اوپر سے گزرتے تھے، مگر ان لوگوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ یہ حرکت کر کے اس راستے پر سے اپنے آپ کو ہٹا سکیں (کیونکہ ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے کہ یہ اپنی جگہ سے ہلنے کے بھی قابل نہیں تھے۔

آل فرعون کی جو کیفیت بتلائی گئی ہے اور جس طرح وہ ان بڑے پیٹ والوں کو کچل رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ وہ لوگ بڑی شدت اور سختی سے ان پیٹ والوں کو روندرہے تھے۔

یہاں پاگل اونٹوں کے لئے ھیومہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ہیام اونٹوں کی ایک بیماری ہے جس میں اونٹ دیوانوں کی طرح بھاگتا پھرتا ہے اور کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ ھیومہ سخت پیاس کی بیماری والے اونٹ کو کہتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب بھی یہ لوگ اٹھنا چاہتے فوراً پھر گر پڑتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا: کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا:

"یہ سود کھانے والے لوگ ہیں ـــــ"

اس سے پہلے بیان ہوا ہے کہ سود خوروں کو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر دیکھا تھا مگر اس حالت میں نہیں بلکہ اس طرح کہ ان میں کا ایک ایک شخص خون کے دریا میں تیر رہا تھا اور پتھر انگل رہا تھا۔

مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ ان سود خوروں

کی یہ دونوں نشانیاں رہی ہوں۔ یعنی پھر وہ اس خون کے دریا سے نکالے جاتے ہوں اور آل فرعون کے راستے میں ڈال دیئے جاتے ہوں جن کا ذکر ہوا۔ اور ان کا یہ عذاب ہمیشہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔

زناکار و عیاش مرد اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ پھر میں نے ایسے لوگ دیکھے جن کے سامنے ایک طرف بہترین قسم کا عمدہ گوشت رکھا ہوا ہے، اور دوسری طرف سڑا ہوا بدبو دار گوشت رکھا ہوا ہے۔ اور وہ لوگ اس پاک اور بہترین گوشت کو چھوڑ کر وہ سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے ہیں۔ میں نے جبرئیل ؑ سے پوچھا: کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا:

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے حلال اور پاکدامن عورتیں یعنی بیویاں دی تھیں مگر یہ ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے ساتھ عیاشی کرتے تھے جن کو اللہ تعالےٰ نے ان پر حرام کیا تھا۔"

اسی قسم کے مردوں اور عورتوں کو حضرت صاحب معراج جناب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بھی دیکھ چکے تھے جیسا کہ بیان ہوا ــــ ایک روایت میں یوں ہے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جبکہ کچھ خوان دیکھے جن میں بہترین پاک صاف گوشت رکھا ہوا تھا مگر اُسے کھانے والا کوئی نہیں تھا۔ جبکہ کچھ اور خوان رکھے ہوئے تھے جن میں سڑا ہوا گوشت تھا اور اس کو کھانے کے لئے لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے تب حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا: کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا:

"یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام چیز کھاتے ہیں۔"

زناکار و عیاش عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ پھر میں ایسی عورتوں کے پاس سے گذرا جو اپنی چھاتیوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا: جبرئیلؑ یہ کون عورتیں ہیں؟ تو انہوں نے کہا:

"یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں کے گھروں میں وہ اولاد پیدا کیں جو اُن کے شوہروں کی نہیں ــــ" (یعنی زناکار عورتیں ہیں۔ مگر چونکہ شادی شدہ تھیں اس لئے دوسرے لوگوں کے

ساتھ ہمبستری اور زنا کریں اور حاملہ ہو جائیں تو اپنے شوہروں کے گھر بچہ جنتیں اور کسی کو پتہ نہ چلتا کہ یہ بچہ شوہر سے نہیں ہے بلکہ حرام اولاد ہے ۔ تو گویا مراد ہیں زنا کار عورتیں ۔) ان کے متعلق یہ نہیں گذرا کہ آپؐ نے اُن کو زمین پر بھی دیکھا تھا۔ البتہ جو بیان گذرا ہے اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زنا کار عورتوں کی حالت دیکھی تھی ۔۔۔۔

عیب جو اور آوازکش لوگ

(قال) اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے تو آپؐ نے ایسے لوگ دیکھے جو اپنے ہی پہلو کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے اور ان سے کہا جا رہا تھا : " یہ بھی اسی طرح کھاؤ جس طرح تم اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے ۔ "

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہولناک منظر دیکھ کر حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا : کہ یہ کیا ہے ؟ تو جبرئیلؑ نے کہا :

" یہ آپؐ کی اُمت کے وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے پر آوازے کسا کرتے ہیں ۔ " چغل خوروں کی ایک حالت آپؐ نے زمین پر بھی دیکھی تھی ، جو اس سے مختلف تھی ۔ جیسا کہ بیان ہوا ؛

آسمانِ دُنیا میں دریائے نیل اور فرات

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی آسمانِ دُنیا میں دریائے نیل اور دریائے فرات کو بہتے ہوئے اور دونوں دریاؤں کے اصل چشمے کو دیکھا جہاں سے یہ پھوٹ رہے ہیں۔ مگر یہ روایت آنے والی روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ آپؐ نے سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں چار نہریں دیکھی تھیں جن میں سے دو نہریں اندرونی تھیں اور دو باہری، ان میں سے دو باہری نہروں میں ایک دریائے نیل اور دوسرا دریائے فرات۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ شاید ان دونوں دریاؤں کا اصلی سوت تو سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے ہی ہے۔ اور ان کا پانی جمع ہونے کی جگہ، یعنی جہاں سے جمع ہو کر آگے پھوٹتا ہے وہ آسمانِ دُنیا میں ہے۔ اس سے پہلے یہ پانی جنّت میں سے گذر کر آتا ہے اور آسمانِ دُنیا سے یہ پانی نیچے زمین پر اُترتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۝ (پ ۱۸)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے مناسب مقدار کے ساتھ پانی برسایا

پھر ہم نے اس کو مدّت تک زمین میں ٹھہرایا۔"

اس آیتِ پاک کی تفسیر میں ایک حدیثِ مبارک ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ نیل اور فرات دریا ہیں، یہ پانی جنّت کے سب سے نچلے حصے میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے پَروں کے ذریعہ زمین پر اُتارا جاتا ہے اور حضرت جبرئیلؑ نے اس پانی کو پہاڑوں کے اندر ڈالا جہاں سے زمین پر اس کے چشمے جاری ہوئے۔

پھر جب قرآن پاک اُوپر اُٹھایا جائے گا اور ایمان چلا جائے گا اسی وقت اللہ تعالےٰ ان دونوں دریاؤں کو بھی اُوپر آسمانوں پر اُٹھالے گا۔ چنانچہ اس کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ○ (پ ۱۸ مومنون)

ترجمہ: اور ہم اس پانی کے معدوم کر دینے پر بھی قادر ہیں۔"

دوسرے آسمان پر قدم رنجہ ... غرض، اس کے بعد صاحب معراج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : کہ ہم دوسرے آسمان پر پہنچے۔ یہاں بھی دروازے پر پہنچ کر جبرئیلؑ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، اندر سے پوچھا گیا: آپ کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا: جبرئیلؑ!

پھر پوچھا گیا : کہ آپ کے ساتھ کون ہیں ؟ انہوں نے کہا، محمدؐ ! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ۔ پھر پوچھا گیا : کیا اُن کو بلوایا گیا ہے ؟ انہوں نے کہا : ہاں ! اب اس دوسرے آسمان کا دروازہ کھولا گیا ۔

یہاں (آسمانِ دوم) | حضرت عیسیٰؑ و حضرت یحییٰؑ سے ملاقات

پہنچتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ ابن ذکریا علیہما السلام پر میری (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نظر پڑی جو حضرت عیسیٰؑ کے بھانجے ہیں۔ یہ دونوں اپنے کپڑوں اور بالوں میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے اور ان کے ساتھ انکے قوم کے کچھ لوگ بھی تھے۔ ان دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور مجھے خیر کی دُعا دی ۔

ایک روایت اور ہے جس کو شاذ (یعنی شاذ حدیث وہ ہے جس کا راوی ثقہ تو ہو مگر اس نے ایسے راوی کی مخالفت کی ہو جو ضبط وغیرہ جیسی وجوہ ترجیح میں اس سے برتر ہو۔) کہا گیا ہے کہ دونوں حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیسری آسمان میں دیکھا تھا۔ اس روایت کو علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر کے شروع میں بیان کیا ہے۔ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ وہ روایت حضرت

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جس کو شیخین نے نقل کیا ہے۔ جہاں تک شاذ روایت کا تعلق ہے تو وہ روایت کے مطلقاً صحیح ہونے کے منافی اور خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے اپنی کتاب شرح الفیہ میں ایک جملہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کے راوی نے اپنے سے زیادہ قابلِ ترجیح راوی کی مخالفت کی ہو۔ مگر بعض علمائے کے نزدیک اس سے شاذ حدیث، صحیح حدیث کے دائرے سے خارج نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہو۔

حضرت یحییٰ ؑ کی فضیلت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مرتبہ اور مقام کا جن روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے ان میں سے ایک تفسیر کشاف میں ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نقل کیا ہے: کہ ہم ایک روز مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بیٹھے ہوئے پیغمبروں ؑ کے فضائل پر گفت گو کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا تو ان کی طویل عبادتِ الٰہی کا ذکر آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر چلا تو ان کے حق تعالیٰ کے خلیل اور دوست ہونے کی فضیلت بیان کی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی بات ہوئی تو اُن کے حق تعالیٰ سے ہمکلام ہونیکی فضیلت کا ذکر آیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ اُن کے آسمان پر اُٹھا لئے جانے کا ذکر ہوا ۔ پھر ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تمام پیغمبروں سے افضل ہیں کہ آپؐ کو ساری دُنیا کے انسانوں کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ۔ آپؐ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں اور یہ کہ آپ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے آپؐ نے پوچھا : کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے بتلایا تو آپؐ نے فرمایا :

"کوئی شخص بھی یحییٰ ابن ذکریا علیہما السّلام سے بہتر نہیں ہو سکتا"۔

حضرت یحییٰؑ کی کثرت عبادت

پھر حضرت رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ کبھی گناہ کا ارادہ کیا ۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ہر شخص حق تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس نے کسی نہ کسی گناہ کا کبھی ارادہ کیا ہو گا اور پھر اس پر عمل کیا ہو گا سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے، کہ انھوں نے نہ کبھی گناہ کا ارادہ کیا اور نہ اس پر عمل کیا ۔

اس حدیث سے جو شُبہ پیدا ہوتا ہے وہ ظاہر ہے اس لئے یہ قابلِ غور ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے والد حضرت ذکریا علیہ السلام نے ایک دفعہ حضرت یحیٰیؑ کو بے انتہا عبادت کرنے اور ہر وقت روتے رہنے پر سرزنش کی تھی۔ اس پر حضرت علیہ السلام نے اُن سے کہا: "اے باپ! کیا آپ نے ہی مجھے اس کا حکم نہیں دیا تھا، کیا آپ نے ہی مجھ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ جنّت اور دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے جس کو اللہ کے خوف سے ڈر کر رونے والے ہی پار کر سکتے ہیں؟"

حضرت ذکریاؑ نے یہ سُنکر فرمایا: "بے شک! بس تو کوشش اور محنت کرو۔"

حضرت یحیٰیؑ کے ہاتھوں قیامت میں موت کی موت

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت یحیٰی علیہ السلام ہی موت کو ذبح کر کے ہمیشہ کے لئے ختم فرمائینگے۔ وہ اس کو لٹائیں گے، اور ایک بال سے اُسے ذبح کرینگے جو اُن کے ہاتھ میں ہو گا۔ اس وقت لوگ انکی طرف دیکھتے ہونگے۔ اس وقت موت ایک سبز کاہی رنگ کی بھیڑ کی شکل

میں لائی جائیگی اور اس کو جنّت اور دوزخ کے درمیان لاکر کھڑا کیا جائے گا، پھر جنت اور دوزخ کے رہنے والوں سے پوچھا جائے گا : کہ، کیا تم اس بھیڑ کو پہچانتے ہو ؟ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس بات کا علم ڈالدے گا۔ اور وہ کہیں گے :۔

" ہاں ! یہ موت ہے ۔"

جہاں تک معانی اور نظر نہ آنے والی چیزوں کو جسم اور شکل و صورت دیئے جانے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے جو حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے ۔ خلق الموت والحیات ۔ اس کی تفسیر میں ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ موت ایک بھیڑ کی شکل میں ہوتی ہے جس کے پاس سے بھی یہ بھیڑ گذر جاتی ہے وہ چیز مر جاتی ہے۔ اسی طرح زندگی ایک گھوڑے کی شکل میں ہے جس کے پاس سے بھی یہ گذر جاتا ہے وہ چیز زندہ ہو جاتی ہے ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کا ایک جسم ہے اور میت یعنی مرنے والے آدمی کو اپنے جسم میں موت داخل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے ۔ غرض ایک قول یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن موت کو ذبح

کرنے والے جبرئیل امین علیہ السّلام ہوں گے۔

تیسرے[۳] آسمان پر قدم رنجہ اور حضرت یوسف[۴] سے ملاقات

غرض! اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ پھر ہم تیسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ اس کے دروازے پر پہنچ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اندر آنے کی اجازت مانگی، تو اندر سے پوچھا گیا: کون ہے! انہوں نے کہا: جبرئیل! پھر پوچھا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ پھر پوچھا گیا: کیا بلوایا گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! بلوایا گیا ہے۔" پھر فرشتوں نے دروازہ کھولا، اندر پہنچتے ہی میری نظر حضرت یوسف علیہ السلام پر پڑی۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ بھی تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن کا آدھا حِصّہ دیا گیا تھا باقی ادھا حِصّہ ساری دُنیا کو دیا گیا یوسف علیہ السلام کے حُسن کے متعلق ایک حدیث میں آتا ہے کہ ان کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح جگمگا رہا تھا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: کہ حضرت یوسف علیہ السّلام اور ان کی والدۂ ماجدہ کو تین حِصّے حسن میں سے ایک حِصہ دیا گیا

اور دو حصّے حسن پوری دُنیا کو دیا گیا۔ مگر ایک دوسری حدیث میں
آتا ہے کہ ساری دنیا کے حسن میں سے اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسفؑ
کو دو حصے حسن دیا باقی ساری دنیا میں ایک حصہ حسن تقسیم فرمایا۔
ان روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

حُسنِ یوسفؑ حضرت وہب ابن مُنَبّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے
روایت ہے کہ دُنیا میں حُسن کے دس حِصّے ہیں جن میں سے نو
حِصّے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا ہے اور ایک حِصّہ ساری دُنیا
کو تقسیم کیا گیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ تمام انسانوں کے
درمیان یوسفؑ کے حُسن کو وہی فضیلت حاصل تھی جو چودھویں
رات کے چاند کو تمام ستاروں پر حاصل ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کی گلیوں میں چلتے تو اُن کے
چہرے سے حسن کے کرنیں چھوٹ پھوٹ کر اسی طرح دیواروں کو
روشن کر دیتیں جیسے دھوپ اور چاندنی دیواروں پر پڑتی ہے۔

یہاں دُنیا کے باقی لوگوں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدسؑ کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں، کیونکہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حُسنِ جمال ایسا تھا کہ اس

ی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ اس حُسن کا کوئی جواب ہے۔ جیسا کہ قصیدۂ بُردہ کے شاعر نے اس مصرعہ میں اشارہ کیا ہے۔ ع

فَجَوھَوُ الحُسنِ فِیۡہِ غَیۡرُ مُنۡقَسِمِ

(ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حُسن کا جو جوہر ملا تھا وہ صرف آپؐ ہی کا حصّہ تھا اس کو تقسیم کر کے کسی کو نہیں دیا گیا تھا۔")

مگر علاّمہ ابنِ منیرؒ یہ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس حُسن و جمال کا نصف حِصّہ دیا گیا جو جناب محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔ اسی بات کی تائید علاّمہ سبکیؒ نے قصیدۂ تائیہ کی شرح میں کی ہے اور کہا ہے کہ آپؐ نے دیکھا کہ حضرت یوسفؑ کو اسی حُسن کا نصف حِصّہ دیا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا ہے

حُسن کا ورثہ ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے دادا حضرت اسحٰق علیہ السلام کے حُسن کا ورثہ ملا تھا۔ اور حضرت اسحٰقؑ کو اپنی والدہ حضرت سارہ سے خوبصورتی ورثہ میں ملی تھی اور حضرت سارہ کو حُسن کا چھٹا حِصّہ ملا تھا۔ یہ حُسن اُن کو تمام انسانوں کی ماں حضرت حوّا علیہا السلام سے ملا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ تمام مخلوقات میں حضرت یوسفؑ سب سے

زیادہ حسین و جمیل انسان تھے اور اُن کے حُسن کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ وہ ستاروں کے درمیان بدرِ کامل کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر یہاں بھی تمام مخلوق اور انسانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ تمام لوگ مراد ہیں، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السّلام کا حُسن اس حُسن کا آدھا حِصّہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا تمام انسانوں کو دیا گیا ہے (دوسرے یہ کہ یہ بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔) اور متکلم یعنی کہنے والا اکثر ایسی عام بات کے کہنے میں خود مراد نہیں ہوا کرتا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو آدمؑ کے حُسن کا نصف حِصہ ملا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت آدمؑ کے حُسن کا ایک تہائی حِصّہ ملا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس دن پیدا کیا گیا، اس دن اُن کا جو حُسن و جمال تھا، حضرت یوسف علیہ السلام اس کے مشابہ تھے۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیت یہ تھی کہ آپؐ کو تمام حُسن دیا گیا تھا جبکہ حضرت یوسفؑ

کو حُسن کا آدھا حِصّہ دیا گیا تھا۔ اب ان سب روایات کو درست
مانا جائے تو ان کا اختلاف قابلِ غور ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے ہر نبیؑ کو خوبصورت اور
خوش گلو یعنی خوش آواز بنایا اور ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کو جمال اور آواز میں سب سے زیادہ بنایا۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: کہ تیسرے
آسمان میں پہنچتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی
تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دُعائے خیر دی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ تیسرے آسمان میں ہی حضرت یحییٰؑ اور
حضرت عیسیٰؑ بھی ملے، جیسا کہ بیان ہوا۔

چوتھے آسمان پر قدم رنجہ اور حضرت ادریسؑ سے ملاقات

صاحبِ معراج حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:
کہ پھر ہم چوتھے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ دروازے پر پہنچ کر جبرئیلؑ
نے اجازت مانگی، تو پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے کہا: جبرئیل!
پھر پوچھا گیا: آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا:
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! پھر پوچھا گیا: ان کو بلوایا

گیا ہے ؟ انہوں نے کہا : ہاں ! بلوایا گیا ہے "۔ اب فرشتوں نے دروازہ کھولا ۔ اندر پہنچتے ہی میری نظر حضرت ادریس علیہ السلام پر پڑی انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعا خیر دی ۔۔۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا : " نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو ۔۔ " حضرت قتادہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا : " نیک بیٹے کو مرحبا ہو "۔ مگر بعض علماء نے کہا : کہ یہ صرف قیاس ہے کیونکہ حضرت ادریس علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مورث اعلیٰ قرار پاتے ہیں، اس لئے کہ وہ حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے اور شیث کے درمیان چار نسلیں ہیں۔ ان کو آدم کی وفات کے دو سو سال بعد رسالت دیکر بھیجا گیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں یہ پہلے شخص ہیں جنکو رسالت دیکر بھیجا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیث نبی تھے رسول نہیں تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ان کے اور نوح کے درمیان دو نسلیں ہیں اس طرح ادریس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبت کے اہم ستونوں میں سے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے :

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○ (پ ۱۶ ، سورہ مریم)

(ترجمہ : اور ہم نے ان کو کمالات میں بلند مرتبہ تک پہنچایا۔)

حضرت ادریسؑ کی زبان دانی | مراد یہ ہے کہ حضرت ادریسؑ کو زندگی ہی میں آسمانوں پر اُٹھا لیا گیا ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے جبکہ ادریس علیہ السلام مصر سے نکلکر روانہ ہوئے پھر ساری دُنیا میں گھوم پھر کر واپس وہیں آئے۔ انہوں نے بہتّر (۷۲) زبانوں میں مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف بلایا، وہ ہر قوم کو اسی کی زبان میں تبلیغ کرتے تھے اور اُنکو علوم الٰہی سکھلاتے تھے۔

حضرت ادریسؑ علم نجوم کے موجد | حضرت ادریس علیہ السلام پہلے نبی ہیں جنہوں نے علم نجوم ایجاد کیا یعنی ستاروں کے ذریعہ زمین پر جو انقلابات اور حادثے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو معلوم کرنے کا علم جس کو علم نجوم کہتے ہیں انہوں نے ہی ایجاد کیا تھا۔ علامہ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ بر صحیح علم ہے۔ خود اس علم میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ البتہ ستاروں کی چالیں دیکھ کر حال بتلانے والا آدمی غلطی کرتا ہے جسکی وجہ اس کی کم علمی ہوتی ہے۔

حضرت ادریسؑ کے متعلق بیان ہوا کہ انہوں نے ساری دُنیا کو

تبلیغ و دعوت کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رسول تھے۔ مگر علامہ ابنِ عربیؒ کہتے ہیں کہ ان کے رسول ہونے کے متعلق قرآنِ پاک میں کوئی دلیل نہیں ملتی، بلکہ قرآنِ پاک میں ان کو صرف صِدِّیْقًا نَّبِیًّا یعنی نبی اور سچ کو قبول کرنے والا کہا گیا ہے۔ وہ پہلے شخص جن سے رسالت شروع کی گئی، حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ ان سے پہلے جو حضرات تھے وہ سب نبی تھے، رسول نہیں تھے یعنی ہر ایک اپنے رب کی طرف سے ہی شریعت پر تھا، اور لوگوں میں سے جو چاہے اس کی شریعت میں داخل ہو جاتا اور جو چاہتا نہ داخل ہوتا۔ البتہ ایک دفعہ نبی کی شریعت میں داخل ہو کر پھر اس کو چھوڑ دینے والا کافر ہوتا تھا۔

حضرت ادریسؑ کے اقوالِ زرّین

حضرت ادریس علیہ السلام کے جو اقوال مشہور ہیں، وہ یہ ہیں:

● دُنیا اور آخرت دونوں کی محبت ایک ہی دل میں ہرگز جمع نہیں ہو سکتی ● انسان دو قسم کے ہیں، طالب[۱] یعنی تلاش کرنے والے کو مقصد ملتا نہیں، اور واجد[۲] یعنی پانے والے کو کسی حد پر سیری نہیں ہوتی ● جس نے رسوائی کی ذلت کو برداشت کر لیا اُس کے لئے اس کی لذت حاصل

کرنا آسان ہو گیا ● بہترین بھائی وہ ہے جو خود تمہارے ساتھ بھلائی کر چکا ہے، اور اس کے بعد جب تم اس کے ساتھ برائے کرتے ہو تو وہ اس کو بھلا دیتا ہے۔"

مزار ادریسؑ حضرت ادریس علیہ السلام کی روح اسی چوتھے آسمان پر قبض کیگئی تھی، پھر یہیں فرشتوں نے انکی نماز جنازہ پڑھی اور یہیں اُن کا مزار ہے۔ فرشتے جب بھی اس آسمان پر اُترے ہیں، اور وہ اُن کے مزار پر نماز پڑھتے ہیں۔

یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ جو لوگ پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان میں ہیں وہ اُن سے بلند تر ہیں۔ کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کیا اور جنت میں داخل فرما دیا اور وہ اب جنّت میں ہی ہیں، یعنی اکثر وقت جنّت میں گذارتے ہیں۔ لہذا اس رات میں ان کے اس آسمان یعنی چوتھے آسمان پر پائے جانے سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا اس لئے کہ ظاہر ہے جنت تمام آسمانوں سے اوپر ہے، کیونکہ وہ ساتویں آسمان سے بھی بلند ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے بھی کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ حضرت ادریس علیہ السلام بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام

کی طرح آسمان پر زندہ ہیں۔

پانچویں آسمان پر قدم رنجہ "ایک روایت میں ہے کہ اس آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہارون کو دیکھا تھا۔"

غرض، اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر ہم پانچویں آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچکر کر بھی حضرت جبرئیل نے دروازہ کھلوانے کی اجازت مانگی تو اندر سے پوچھا گیا: کون! انہوں نے کہا: جبرئیل؟ پھر پوچھا گیا: کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ پھر پوچھا گیا: کیا ان کو بلوایا گیا تھا؟ جبرئیل نے کہا: ہاں!۔ اب فرشتوں نے پانچویں آسمان کا دروازہ کھولا۔

حضرت ہارون سے ملاقات یہاں پہنچتے ہی حضرت ہارون علیہ السلام پر میری نظر پڑی۔ ان کی داڑھی جو آدھی سفید اور آدھی سیاہ تھی، اتنی لمبی تھی کہ ان کی ناف تک پہنچ رہی تھی۔ ان کے گرد ان کی قوم کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ہارون ان کو واقعات سُنا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے مرحبا کہا اور دُعائے خیر دی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو دیکھ کر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے کہا، "یہ ہارون ابن عمران علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم میں بے حد محبوب اور ہر دل عزیز ہیں۔"

(ی) حضرت ہارون علیہ السلام کے اپنی قوم میں محبوب اور ہر دلعزیز ہونیکی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں قوم کے ساتھ ان کا برتاؤ بہت نرم تھا جبکہ حضرت موسیٰؑ کے مزاج میں سختی اور شدّت تھی، چنانچہ قوم کے ساتھ ان کا معاملہ سخت ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی طرف سے کچھ تکلیفیں بھی پہنچیں۔

چھٹے آسمان پر قدم رنجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ اس کے بعد ہم چھٹے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ دروازے پر پہنچ کر حضرت جبرئیلؑ نے اندر آنے کی اجازت مانگی، تو اندر سے پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے کہا: جبرئیل! پھر پوچھا گیا: کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! پھر پوچھا گیا: کیا اُن کو بلوایا گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! بلوایا گیا ہے — اب فرشتوں نے آسمان کا دروازہ کھولا۔

حضرت موسیٰ ؑ سے ملاقات یہاں داخل ہوتے ہی مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نظر آئے انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دُعائے خیر دی۔
ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے ہی نبیوں ؑ کے پاس سے بھی گذرتے رہے جن کے ساتھ اُن کی قومیں تھیں، اور ایسے نبی اور نبیوں علیہم السّلام کے ساتھ بھی گذرے جن کے ساتھ اُن کی قومیں نہیں تھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک بہت بڑے ہجوم کے پاس سے گذرے تو آپ ؐ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جواب ملا:
"یہ موسیٰ ؑ اور اُس کی قوم ہیں۔ (ی) مگر یہاں جیسا کہ ظاہر میں یہ لفظ ہونے چاہئیں کہ: یہ موسیٰ ؑ کی قوم کے لوگ ہیں۔ مگر آپ ؐ اپنا سر اُٹھا کر بھی دیکھئے......"
چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نظریں اُٹھا کر دیکھا تو آپ ؐ کو ایک بے انتہا عظیم ہجوم اور انسانوں کا ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آیا کہ اس کے ہر طرف سے آسمان کے کنارے تک ڈھک گئے تھے، اُسی وقت آپ ؐ کو بتلایا گیا:
" یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت ہے۔ یہ ستّر ہزار یعنی ان میں سے ستّر ہزار وہ ہیں جو بغیر حساب کتاب کے جنّت

ہیں داخل ہوں گے ۔"

یہاں ـــــ "ان میں سے ستّر ہزار ـ" اس حدیث کی بنا پر کہا گیا ہے۔ جس میں ہے کہ مجھ سے کہا گیا : "یہ آپؐ کی اُمت ہے اور ان کے ساتھ ستّر ہزار وہ لوگ ہیں جن پر کوئی عذاب نہیں ہے اور جو بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ جوش و غضب میں دوسروں کو ذلیل کرتے ہیں، نہ چھپ کر دوسروں کی باتیں سُنتے ہیں۔ نہ بد فالی لیتے ہیں صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

یہ حدیث سُن کر حضرت عکاشہ ابنِ محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا :

"کیا میں بھی اس جماعت میں ہوں ـ ؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : "ہاں !"

اسی وقت ایک دوسرے شخص نے بھی جو وہاں بیٹھا ہوا تھا پوچھا: کہ کیا میں بھی اس جماعت میں ہوں ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : "سوال کرنے میں عکاشہ تمہارے مقابلے میں پہل کر گئے۔" یہ دوسرا سوال کرنے والا شخص منافق تھا۔ اسلیئے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تو نہیں فرمایا کہ تو ان لوگوں میں نہیں ہے کیونکہ تو منافق ہے۔ بلکہ پیغمبرِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بات فرمادی جس میں یہ جواب چھپا ہوا تھا اور اس کا پردہ بھی باقی رہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو سامنے کئے جانے کے یہ دونوں واقعے مثالی ہیں، یعنی ان اُمتوں کا عکس آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ کیونکہ حقیقت میں ان اُمتوں کا چھٹے آسمان میں موجود ہونا بعید ہے ....۔

حضرت موسیٰؑ کا رشک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"لوگ سمجھتے ہیں کہ میں اُن سے زیادہ اللہ کے نزدیک معزز ہوں، مگر حقیقت میں اللہ کے نزدیک یہی مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔"

غرض، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گذر کر آگے بڑھ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ اس پر اُن سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا:

"میں اس پر رو رہا ہوں کہ یہ نوجوان میرے بعد نبیؐ بنا کر بھیجے گئے مگر میری اُمت کے مقابلے میں اُنؐ کی اُمت کے زیادہ آدمی

جنت میں داخل ہونگے۔ (ی) بلکہ ساری امتوں کے مقابلے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے۔"

کتاب خصائص صغریٰ میں علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی امت کے متعلق یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ تمام امتوں میں سے جنت میں جانیوالے لوگوں کی ایک سو بیس ۱۲۰ صفیں ہونگی تو ان میں اسی ۸۰ صفیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی ہونگی اور باقی چالیس ۴۰ صفیں تمام امتوں کی ہوں گی۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ تمام امتوں کا یہ حال ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ جنت میں ہونگے تو کچھ جہنم میں جائینگے مگر آخری امت کا یہ حال ہے کہ سب کے سب جنت میں جائینگے۔

کتاب عرائس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حق تعالیٰ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمانے کے بعد ان کے سننے کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ دس فرسخ کے فاصلے پر اندھیرے رات میں چکنے پتھر کے اوپر چلنے

والی سیاہ چیونٹی کی آواز تک سُن لیا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جنّت میں داخل ہونے والا ہر شخص بغیر داڑھی مونچھ کا جوان ہوگا، صرف حضرت موسیٰ؏ کے ناف تک لمبی داڑھی ہوگی۔

سالتویں آسمان پر قدم اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ پھر ہم ساتویں آسمان کی طرف بلند ہوئے اس آسمان کا نام عَرِیبَ ہے۔ جیسے ساتویں زمین کا نام جَرِیبَ ہے۔ خطیبؒ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت وہبؓ ابن مُنَبہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے حدیث روایت کی ہے کہ جس نے جمعۃ المبارک کے دن سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران تلاوت کیں تو اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جس سے عَرِیبَ اور جَرِیبَ کے درمیان ساری جگہ بھر جاتی ہے۔

غرض، ساتویں آسمان کے دروازے پر پہنچ کر حضرت جبرئیل؏ نے دروازہ کھولے جانے کی اجازت مانگی، اس پر اندر سے فرشتوں نے پوچھا: کون ہے؟ انہوں نے کہا، جبرئیل! پھر پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

پھر پوچھا گیا: کیا اُن کو بلوایا گیا ہے ؟ جبرئیلؑ نے کہا: ہاں!
اب فرشتوں نے دروازہ کھولا۔

حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات | ساتویں آسمان میں داخل ہوتے ہی میری (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نظر حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام پر پڑی۔ (ی) جن کے بال کھچڑی یعنی کالے اور سفید تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ادھیڑ عمر کے تھے۔ اس بات سے اس گذشتہ حدیث کی مخالفت نہیں ہوتی جس میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جسم اور اخلاق میں تمہارے صاحب یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے انسان تھے

غرض حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام جنّت کے دروازے کے پاس یعنی اُس سمت کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنّت ساتویں آسمان سے اُوپر ہے۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ ایک اونچی جگہ پر "بیت المعمور" سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے جو عقیق کا بنا ہوا ہے (عقیق ایک ہیرا ہوتا ہے جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے) اس کو ضراح بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ ضرح سے بنا ہے جس کے معنے پھاڑنے اور دُور کرنے کے ہیں۔ اسی

سے لفظ ضریح ہے جس کے معنی قبر کے ہیں۔
حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ بیت المعمور کو ضُراح اور ضریح دونوں طرح کہا جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بیت المعمور کعبے کی بالکل سیدھ میں آسمان پر ایک مسجد ہے، پر کعبے کی ایسی سیدھ میں ہے کہ اگر یہ گر پڑے تو سیدھے کعبے پر ہی گرے گی۔ یعنی یہ اس ساتویں آسمان پر ایسی جگہ ہے جو کعبے کی بالکل سیدھ میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بیت المعمور چوتھے آسمان میں ہے کتاب قاموس میں اسی قول کو معتبر مانا گیا ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ چھٹے آسمان میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے آسمان پر ہے

بیت المعمور میں نماز چنانچہ علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اس بارے میں یہی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بیت المعمور سے متعلق بتلایا گیا۔ آپؐ نے اس کو دیکھا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو بتلایا: اس میں روزانہ ایک دروازے سے ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازے سے نکلتے ہیں۔ وہ اس دروازے سے داخل ہوتے ہیں جو ستاروں کے طلوع کی سمت ہے اور اس دروازے سے نکلتے ہیں جو

ستاروں کے غروب ہونے کی سمت ہے۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان فرشتوں کا اتنی بڑی تعداد میں داخل ہونا صرف اس بیت المعمور کے ساتھ خاص ہے جو ساتویں آسمان پر ہے۔

حضرت ابراہیمؑ مومنوں کافروں کے بچوں کے نگران :۔

حدیث میں یہ ثابت ہے کہ مومنوں اور کافروں کے بچے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کفالت اور نگرانی میں رہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان بچوں کو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ دیکھا تو آپؐ نے جبرئیلؑ سے پوچھا: "یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا:

"یہ مومنوں کے وہ بچے ہیں جو بچپن میں ہی مر جائیں گے۔"

آپؐ نے پوچھا: "کیا کافروں کے بچے بھی ان میں ہیں؟" حضرت جبرئیلؑ نے کہا: "ہاں، کافروں کے بچے بھی ان ہی میں ہیں۔"

صحیح بخاری نے باب الجنائز میں ایک طویل حدیث میں یہ نقل کیا ہے۔ انہوں نے ہی ایک دوسری جگہ بھی اس حدیث کو پیش کیا ہے جس میں لوگوں کے چھوٹے بچوں کا لفظ ہے (یعنی مومن یا کافر کی قید نہیں ہے) ـــ کافروں کے بچوں کے بارے میں ایک روایت ہے کہ وہ جنتیوں کے خادم بنیں گے۔ یہاں تک شیخ شعرانی کا کلام ہے۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے جسکی سند ضعیف ہے کہ چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جس کا نام نہر حیوان یعنی نہر حیات ہے۔ حضرت جبرئیلؑ روزانہ صبح کے وقت اس نہر میں اترتے ہیں، جیسا کہ بعض روایتوں سے ظاہر ہے۔ وہ اس نہر میں غوطہ لگانے کے بعد باہر نکلتے ہیں اور پھر اپنا بدن جھٹکتے ہیں جس سے ستّر ہزار قطرے ٹپکتے ہیں، ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں: کہ، ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ اتنے اتنے ہزار فرشتے پیدا فرماتا ہے جنکو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں آکر نماز پڑھیں۔ یہی وہ فرشتے ہیں جو بیت المعمور میں داخل ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور اس کے بعد ان کو دوبارہ داخل ہونے کی نوبت کبھی نہیں آتی۔ پھر ان میں سے ایک کو ان کا سردار بنا دیا جاتا ہے جس کو حکم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام فرشتوں کے ساتھ آسمان میں فلاں جگہ کھڑا ہو جائے اور قیامت تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ علامہ شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ باتیں اسی رات (شب معراج) میں بتلائی تھیں۔ واللہ اعلم

غرض، ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

کہ ساتویں آسمان پر پہنچ کر اچانک میں نے اپنی تمام اُمتیوں کو دو حصوں میں دیکھا آدھے لوگ ایسے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جیسے کاغذ، اور باقی آدھے آدمیوں کے کپڑے بوسیدہ اور میلے تھے۔ پھر میں بیت المعمور میں داخل ہوا تو میرے پاس اُمت کے وہ لوگ بھی داخل ہوئے جن کے جسموں پر سفید کپڑے تھے اور میلے کپڑے والے لوگ نظروں سے اُوجھل ہو گئے۔ پھر میں نے اور میرے ساتھ کے لوگوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔

بیت المعمور میں نماز پڑھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے دُعا بھی مراد ہو سکتی ہے اور رکوع اور سجدے والی نماز بھی ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ دو رکعت کا لفظ بھی فرمایا گیا ہے اس لئے اس کے مطابق رکوع سجدے والی نماز ہی مراد ہونی چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشورہ

غرض، حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر آپ سے فرمایا: اے اللہ کے نبی صلعم! آپ صلعم آج رات اللہ تعالیٰ سے ملاقات فرمانے والے ہیں۔ آپ صلعم کی اُمت آخری اُمت ہے اور سب سے زیادہ کمزور اُمت ہے۔ اس لئے اگر آپ صلعم اپنی اُمت کیلئے آسانیاں حاصل کر سکتے ہیں، تو ضرور کریں۔ اور فرمایا:

اپنی امت کو حکم دیجئے کہ وہ اپنے لئے جنّت میں زیادہ سے زیادہ پودے لگائیں اس لئے کہ جنّت کی مٹی بڑی زرخیز ہے اور اس کی زمین بہت کشادہ ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جنت کا پودا کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں فرمایا: " لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔" (یعنی، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کوئی طاقت و قوّت نہیں ہے۔)

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: " اپنی اُمت کو میرا اسلام فرمایئے، اور ان کو میری طرف سے بتلا دیجئے کہ جنّت کی مٹی بڑی زرخیز ہے اور اس کا پانی میٹھا ہے اور جنّت کا پودا یہ ہے: " سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ ۔" (یعنی، پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ ہی کو تمام تعریفیں سزاوار ہیں، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے)

ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے جنّت کا پودا ان دونوں دعاؤں (جو اوپر اندراج ہوئیں) کا نتیجہ ہوتا ہو۔ اور یہ کہ بعض راویوں نے دونوں کے بجائے ایک ہی دعا بیان کر کے ہی چھوڑا۔

جنّت میں حضرت زید بن حارثؓ کی میزبانی اسکے بعد ایک خوبصورت لڑکی نے میرا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) استقبال کیا، مجھے وہ لڑکی بہت اچھی لگی۔ میں نے اس سے کہا: "لڑکی! تم کس کے لئے ہو؟"

لڑکی نے کہا: زید بن حارثؓ کیلئے (اس سے حق تعالیٰ کے یہاں زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقبولیت اور مقام ظاہر ہوتا ہے۔)

غالباً یہ لڑکی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرنے کیلئے جنّت سے نکل کر آئی تھی اور شاید یہ اس وقت کا واقعہ ہو گا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر تشریف لے جا چکے تھے پھر آپؐ کے سامنے ایک شراب کا برتن، ایک دودھ کا برتن اور شہد کا برتن لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے دودھ کا برتن لے لیا۔ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے کہا: "آپؐ نے فطرت کو پالیا۔" یعنی، دودھ لیکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطرت کو لے لیا کیونکہ دودھ ہی فطرت ہے (جسکی دُنیا میں آتے ہی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔) اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کیساتھ ہی آپؐ کی اُمت کو بھی فطرت کے راستے پر قائم فرما دیا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی برکت اور طفیل سے آپؐ کی اُمت کو بھی فطرت

پیر برقرار فرما دیا۔

انبیاءِ کرامؑ کی طرف سے استقبال اس شُبہ کا جواب صاف ہے کہ اس رات میں انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اصل جگہوں سے ہٹے بھی ہیں۔ بعض نبیؑ جو اُوپر کے آسمانوں میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے اشتیاق میں نچلے آسمانوں میں اُتر کر آئے جبکہ آپؐ اُوپر تشریف لے جا رہے تھے۔ اسی طرح جب آپؐ معراج سے واپس نیچے تشریف لا رہے تھے تو بعض انبیاء کرامؑ جو نچلے آسمانوں میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے شوق میں اُوپر تشریف لے گئے تھے اسی طرح آپؐ نے کسی روایت میں اُن کو کسی آسمان میں بتلایا ہے۔ اور کسی روایت میں کسی اور آسمان میں بتلایا ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کی طرف پرواز غرض، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر جبرئیل علیہ السلام آپؐ کو لیکر ساتویں آسمان سے بلند ہوئے اور "سدرۃ المنتہیٰ" تک پہنچے (سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان سے اُوپر بیری کا ایک درخت ہے، جہاں تک انسانی اعمال اور فرشتوں کی پہنچ ہے) میں نے دیکھا کہ اس بیری کے پتّے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں۔ ایک روایت ملتا ہے کہ اس کے ایک ایک پتّے کے سائے میں ایک مخلوق بیٹھ سکتی ہے

اور ایک روایت میں ہے کہ اس درخت کا پتّا اتنا بڑا ہے کہ اس کے نیچے پوری اُمت بیٹھ سکتی ہے۔ یہ بھی روایت ہے، کہ اگر اس کا ایک پتّا یہاں سامنے آ جائے تو پوری دُنیا کو ڈھک سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس درخت کا پھل انگوروں کی بیل کو اُٹھانے والی تھونی کے برابر ہے۔ ایک روایت ہے کہ ہجر کی تھونی کے برابر ہے۔ ہجر مدینے کے قریب ایک دیہات ہے یہاں کی ایک تھونی حجاز کی ڈھائی مشکوں کے برابر ہوتی ہے۔ جبکہ ایک مشک میں سَو بغدادی رطل کے برابر پانی بھرا جا سکتا ہے (ایک رطل چالیس تولہ یعنی آدھا سیر کا ہوتا ہے)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس "**درخت**" کے اتنا قریب آئے جتنا قریب ہونے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی۔ تو اس درخت کا رنگ و روپ اچانک بدل گیا۔ یعنی جو حالت پہلے تھی اس سے بدل کر اس پر ایک عجیب حُسن اور نکھار پیدا ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی بھی اس کے حُسن اور دلکشی کی تعریف بیان نہیں کر سکتا کیونکہ حُسن کا دیدار آدمی کو مبہوت اور مسحور کر لیتا ہے۔

غرض اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان

سے اوپر ہے، یہی قول اکثر علماء کا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس کی شاخیں عرش پر قائم کرسی کے نیچے تک پہنچی ہوئی ہیں اور عرش اور کرسی کے بارے میں حضرت وہب ابن منبہ رضی سے روایت ہے کہ یہ دونوں ساتوں آسمان سے اوپر ہیں۔

اس بارے میں ایک سوال کیا جاتا ہے کہ کیا سدرۃ المنتہیٰ یعنی اس بیری کے درخت کا پھل عام کھائے جانیوالے پھلوں کی طرح ہی ہوتا ہے؟ کہ ایک پھل ختم ہوتا ہے اور دوبارہ دوسرا پھل نکلتا ہے ختم ہونیوالا پھل یا تو کھالیے جانیکی وجہ سے ختم ہوتا، اور یا گر جاتا ہے لہذا بغیر کھائے ختم ہو جاتا ہے۔

جنّت کی زیارت صاحبِ معراج حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: پھر ہم جنّت میں داخل ہوتے ، وہاں میں نے موتیوں کے بنے ہوئے گنبد دیکھے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: کہ موتیوں کے گندھے ہوئے گجرے اور ہار دیکھے۔ وہاں کی مٹی مشک کی ہے، جنّت کے انار بڑے بڑے ڈولوں کے برابر دیکھے اور وہاں کے پرندے اونٹ کے برابر ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنّت میں اس سے پہلے داخل ہوئے جبکہ آپ وہاں سے اوپر جا کر اُس بدلی تک پہنچے تھے جس نے آپ کو گھیر لیا تھا۔ جنّت کے پھلوں کیبارے حدیث میں آتا ہے کہ دُنیا

میں جو بھی میٹھے اور کڑوے پھل ہیں وہ سب جنّت میں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ حنظل کا پھل بھی وہاں موجود ہے جو انتہائی کڑوا پھل ہوتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جان ہے کہ جنّت میں جو نہی کوئی شخص ایک پھل توڑ کر اسے منہ تک لے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس توڑے ہوئے پھل کی جگہ اسی وقت اس سے بھی میٹھا دوسرا پھل پیدا فرماتا ہے۔

جنّت میں نعمتوں کی فراوانی | ظاہر ہوا کہ جنّت کے تمام ہی پھل میٹھے اور کھانے کے ہوتے ہیں، البتہ جنکو کڑوا کہا گیا ہے وہ خود کڑوے نہیں ہوتے بلکہ دُنیا کے کڑوے پھلوں کی شکل کے ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ جنّت کے میوے نہ کبھی ختم ہوتے ہیں اور نہ کبھی اُن کی فصل رُکتی ہے۔ یعنی بغیر رُکے ہمیشہ باقی رہتے ہیں اور کھائے جاتے رہتے ہیں۔ گویا کھانا یعنی خرچ بھی چلتا رہتا ہے اور درخت کی شاخ میں اصل بھی باقی رہتا ہے۔

جنّت کی چار نہریں | آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ اس کی جڑ میں سے چار نہریں پھوٹ رہی ہیں۔ وہ نہریں اندرونی یعنی جو آسمانی اور جنّت کی ہیں

یعنی اس درخت کی جڑ سے نکل کر جنّت میں جارہی ہیں اور وہاں جاکر غائب ہوگئی ہیں اور دو نہریں ظاہری اور بیرونی ہیں۔ یعنی جو اس درخت کی جڑ میں سے نکلنے کے بعد ظاہر ہی رہتی ہیں کہیں جاکر غائب نہیں ہوتیں اور جنت سے گزر کر آگے چلی جاتی ہیں ۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا : یہ کیا ہے ؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا :

"جہاں تک ان اندرونی نہروں کا تعلق ہے تو یہ دونوں جنّت میں ہیں اور جہاں تک بیرونی نہروں کا تعلق ہے تو یہ دونوں دریائے نیل اور دریائے فُرات ہیں۔"

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دریائے نیل اور دریائے فُرات جنّت میں سے گذرتے ہیں اور باقی دو دریا جیسے سیحان اور جیحان ہیں یعنی اس بناء پر کہ یہ بھی اسی درخت کی جڑ سے پھوٹ رہے ہیں جنّت میں جاکر غائب ہوجاتے ہیں اس سے آگے نہیں جاتے۔ ان میں سے دریائے نیل مصر کا دریا ہے اور دریائے فُرات کوفہ کا دریا ہے ۔۔ جہاں تک ان کا تعلق ہے جو نیل اور فُرات کے علاوہ باقی دو دریا ہیں تو اس بنیاد پر کہ وہ سیحان اور جیحان ہی ہیں۔ ان کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ وہ جنّت میں جاکر غائب ہوجاتے ہیں۔ اور چونکہ ان کا وجود آسمانوں میں جنّت سے باہر ہے

اس لئے جنّت سے نکلنے کے بعد بھی سامنے آتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں نیل اور فرات جنّت میں بھی گذرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس سے باہر آکر بھی نظروں کے سامنے رہتے ہیں۔ (کسی جگہ بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے۔)

نہرِ کوثر اور نہرِ رحمت صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: کہ پھر میں نے دیکھا کہ اس درخت یعنی "سدرۃ المنتہیٰ" کی جڑ میں ایک چشمہ ہے یعنی ایک اور چشمہ جس سے دو نہریں پھوٹ رہی ہیں ان میں سے ایک کا نام کوثر اور دوسری کو نہرِ رحمت کہا جاتا ہے۔ میں نے اس چشمے میں غسل کیا اور میرے تمام گذشتہ اور اگلے لغزشیں معاف کر دیں گئیں۔

اسی طرح طبرانی میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں سے چار نہریں نکلتی ہیں، جن سے..... ایسے پانی کی جو کبھی نہیں سڑتا، ایسے دودھ کی جس کا ذائقہ کبھی خراب نہیں ہوتا، ایسے شراب کی جو پینے والوں کیلئے نہایت ذائقہ دار ہے، اور ایسے شہد کی جو انتہائی پاکیزہ اور صاف ہے۔

حضرت جبرئیلؑ اصلی شکل میں درخت سدرۃ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا ہے۔ ان کے چھ سو پَر ہیں اور ہر پَر اتنا بڑا ہے کہ اس سے افق یعنی آسمان کا کنارہ چھپ جائے۔ اِن پَروں میں

سے موسم بہار کے رنگین پھولوں کی طرح اتنے رنگا رنگ موتی اور یاقوت

گر رہے تھے کہ ان کا شمار اللہ ہی جاننے والا ہے۔

صریر اقلام کا مقام | پھر ایک بدلی نے آکر اس درخت کو گھیر لیا۔

اس وقت جبرئیل علیہ السلام وہیں رہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو اس بدلی کے ذریعہ یہاں سے اُوپر اُٹھا لیا گیا یہاں تک کہ آپ مُستوی

کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صریر اقلام ؛ یا ایک

روایت کے مطابق صریف اقلام یعنی "قلموں کے لکھنے کی آوازیں" سُنیں (یہ تقدیر

کے قلم تھے) اور فرشتے ان سے مخلوق کی تقدیریں لکھ رہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ : حضرت جبرئیلؑ مجھے لیکر ساتویں آسمان کے

اُوپر گئے یہاں تک کہ ہم ایک نہر پر پہنچے جس پر یاقوتوں، موتیوں

اور زبرجد کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ اس نہر پر ایک سبز رنگ کا پرندہ

تھا جو اتنا حسین تھا کہ اس جیسا میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں

پہنچ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا :

" یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالےٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کو عنایت فرمائی ہے ۔ "

صاحب معراج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

میں نے دیکھا کہ اس میں یاقوت اور زمرد کی تھالوں میں رکھے ہوئے سونے چاندی کے جام کے کٹورے تیر رہے تھے۔ اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا میں نے ایک جام اُٹھایا اور اُسے نہر میں سے بھر کر پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے زُخرُف یا مخملی مسند!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ پھر جب وہ بادل میرے پاس آئے جو مجھے گھیر چکے۔ تو مجھے ایک نُور میں لپیٹ لیا گیا۔ اسی بدلی کو کہیں کہیں زُخرف یعنی سبز مخملی مسند یا تختِ رواں بھی کہا گیا ہے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں جیسے پالکی ہوتی ہے یہ اُسی قسم کی مسند تھی۔

صحیح بخاری کے شارح شیخ عینیؒ نے مقاتلؒ کی ایک روایت بیان کی ہے جس میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام مجھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیئے ہوئے چلے یہاں تک کہ ہم سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حجابِ اکبر تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر..... (چونکہ حضرت جبرئیلؑ کی پہنچ کا مقام یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیئے جبرئیلؑ نے عرض کیا: "بس! اب آپؐ کا رب جانیں، میری پہنچ یہاں تک ہے میں یہاں سے آگے نہیں جا سکتا۔")

جبرئیلؑ نے کہا: " اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اب آپؐ ...... آگے تشریف لے جایئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: کہ میں آگے بڑھا یہاں تک کہ میں سونے کے ایک تخت تک پہنچ گیا جس کے اُوپر جنّت کا ریشمین قالین بچھا ہوا تھا۔ اُسی وقت میرے پیچھے سے حضرت جبرئیلؑ نے پکار کر کہا:۔ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اللہ تعالیٰ جلَّ شانہٗ آپؐ کی تعریف فرما رہا ہے۔ آپؐ سنیئے اور اطاعت کیجئے، آپؐ کلامِ الٰہی سے دہشت زدہ نہ ہوں۔"

چنانچہ میں نے اُسی وقت حق تعالیٰ جلَّ جلالہٗ کی ثنا اور تعریفیں بیان کیں ..... وغیرہ وغیرہ آخر حدیث تک ۔" اس حدیث میں نورِ مستویٰ کا ذکر ہے۔ جہاں تک قلموں کے چلنے یعنی لکھنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور جس کو مقام صریر اقلام کہا جاتا ہے۔ پھر اس میں عرش اور تخت رواں کا ذکر ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے دیدار کا ذکر ہے اور کلامِ خداوندی کے سُننے کا ذکر ہے ....

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ جبرئیل کی فرمائش :۔

روایت ہے، کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچکر

رہ گئے (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے بڑھنے کو کہا) تو آپؐ نے ان سے فرمایا: "کیا ایسی جگہ کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑا کرتا ہے؟" جبرئیل علیہ السلام نے کہا: "اگر میں یہاں سے آگے بڑھا تو جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا:

"جبرئیلؑ! کیا تم اپنے ربّ سے اپنی کچھ حاجت روائی چاہتے یعنی کچھ مانگنا چاہتے ہو۔" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

"اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ربِّ ذوالجلال سے میرے لئے یہ اختیار مانگ لیجئے کہ میں قیامت کے دن پلِ صراط پر اپنے پَر پھیلا کر کھڑا ہو جاؤں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے لوگ میرے پَروں پر سے ہو کر خیریت سے گذر جائیں۔"

ابوبکرؓ کی آواز اور آپؐ کی حیرانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ پھر مجھے نور کے پردوں میں لے جایا گیا اور میں نے ستّر ہزار پردے پار کئے جن میں سے کوئی بھی پردہ ایسا نہیں تھا جس کی تشبیہ دی جا سکے، ان میں سے ہر پردے اور حجاب کی موٹائی اتنی تھی کہ پانچسو سال میں اس کو پار کیا جا سکتا ہے۔ اب مجھے کسی

فرشتے کی موجودگی کا احساس نہیں رہا جس کی وجہ سے مجھے کچھ وحشت ہوئی۔ اسی وقت مجھے ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بولنے کی سی آواز آئی جو یہ کہہ رہے تھے:

"ٹھہریئے! ..... آپ کا ربّ نماز پڑھ رہا ہے ....."

میں حیران ہو کر اس جگہ ابوبکر کی موجودگی اور اپنے ربّ کی نماز کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں خود سے کہہ رہا تھا:

"کیا ابوبکر مجھ سے بھی پہلے یہاں پہنچ گئے .....! اور میرے ربّ کے نماز پڑھنے کا کیا مطلب ہے ..... ربّ تو نماز اور عبادت سے غنی ہے۔ (آگے آنے والی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوگی۔)

شرفِ ہم کلامی! غرض، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا ..... کہ اچانک علیہ السلام الاعلیٰ یعنی بلندیوں کی انتہا سے آواز آئی: "قریب آیئے اے بہترین مخلوق ..... قریب آیئے اے احمد ..... قریب آیئے اے احمد!! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

پھر میرے پروردگار نے مجھے اور قریب کیا یہاں تک کہ میں اپنے ربّ کے اتنا قریب ہو گیا جو حق تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (سورۂ نجم)

(ترجمہ:۔ "پھر وہ فرشتہ آپؐ کے نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا، سو دو کمانوں کی برابر فیصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم —")

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خصوصیت حاصل ہوئی کہ معراج اور اس کے متعلق واقعات میں آپؐ نے ساتوں آسمانوں کو پار کیا اور اتنی بلندی تک پہنچے کہ ذاتِ باری سے دو کمانوں کی برابر فیصلہ رہ گیا اور اس طرح اس جگہ آپؐ کے قدمِ مبارک پڑے جہاں نہ کسی نبی مرسل کے قدم پہنچے ہیں اور نہ کسی مقرب ترین فرشتے کے۔ —

بعض علماء نے جن میں حافظ ابن حجرؒ بھی ہیں نے بیہقی سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے حسن سند کے ساتھ بیان کی ہے: کہ دَنیٰ فَتَدَلّٰی کا فعل حق تعالیٰ کا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا نزدیک آنا ایسا ہی ہے، جیسے ارشاد ہے: کہ ہمارا ربّ روزانہ رات کو جب کہ تہائی رات باقی رہ جاتی ہے آسمان زمین پر اُتر آتا ہے۔

اہلِ حق کے نزدیک یہ مقامِ تنزل میں سے جس کا مطلب یہ ہے، کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں پر کرم اور مہربانی فرماتا ہے اور بندوں سے خطاب کرنے میں اس قسم کی تعبیر اور بیان فرماتا ہے جو مقامِ تنزل میں سے

ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ اپنی ذات کے لئے وہی بیان اور طرز اختیار فرماتا ہے جو بندے اپنے لئے کرتے ہیں۔ لہٰذا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ بات یعنی حق تعالیٰ کا آسمانِ دُنیا پر نازل ہونا بندوں کی حق میں تو حقیقی ہے اور خود حق تعالیٰ کے حق میں مجازی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ دَنٰی کے فاعل جبرئیلؑ ہیں اور فتدلّٰی کے فاعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ یعنے آپؐ کے ربؑ نے آپؐ کو جو قریبی اور بلند مرتبہ عطا فرمایا اس کے شکر میں آپؐ نے سجدہ کیا۔...

علوم کا القاء! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: کہ یہاں حق تعالیٰ نے مجھ سے سوال فرمایا تو میں اس ذاتِ باری کو جواب دینے کی طاقت نہ پاسکا۔ چنانچہ پھر باری تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں اس طرح رکھدیا کہ اسکی کوئی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ (یہاں باری تعالیٰ کے ہاتھ سے مراد اسکی قدرت کا ہاتھ ہے کیونکہ باری تعالیٰ ہاتھ پاؤں سے بری ہے)۔

غرض، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: کہ اس ہاتھ کی ٹھنڈک مجھے محسوس ہوئی اور مجھ پر اوّلین وآخرین کا حال روشن ہوگیا اور اس کے نتیجے میں مجھے مختلف علم حاصل ہوگئے۔ ان میں کچھ وہ علم ہیں

جن کو چھپائے رکھنے کیلئے حق تعالیٰ نے مجھ سے اقرار لیا کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میرے سوا دوسرے لوگ اس علم کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس طرح کچھ وہ علم دیئے جن کے بارے میں دوسروں کو بتانے نہ بتانے کا مجھے اختیار دیا۔ کچھ وہ علم دیا جن کو اپنی اُمّت کے خاص اور عام سب لوگوں کو پہنچانے کا حکم فرمایا۔ یہاں خاص و عام میں انسان، جنّات اور اسی طرح فرشتے بھی شامل ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ علوم جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف علوم فرمایا ہے یہی تینؔ قسم کے علوم ہیں (جنکی تفصیل بیان ہوئی)۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تینوں قسموں کے علوم میں سے ہر ہر علم مختلف قسم کے علوم پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم

.....آوازِ ابوبکرؓ کے متعلق.....! اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ (دستِ قدرت رکھے جانے کے بعد جب مجھ میں قوّتِ گویائی آگئی اور بولنے کی طاقت ہوئی تو.....) پھر میں نے جنابِ بارگاہِ ربُّ العزت میں عرض کیا:

اے اللہ! جب مجھے (سدرۃ المنتہیٰ سے اُٹھنے کے بعد تنہائی کے احساس کی وجہ سے) کچھ وحشت ہوئی تھی تو میں نے کسی بولنے والے کی آواز

سُنی تھی جو ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے انداز اور آواز میں ادل رہا
تھا اور اس نے مجھ سے کہا تھا ۔۔۔: " ٹھہر جا! تیرا ربّ نماز پڑھ رہا
ہے ۔۔۔ " مجھے ان دونوں باتوں پر حیرت ہوئی : کہ کیا ابو بکر اس
مقام پر مجھ سے پہلے پہنچ گئے ۔۔۔ اور یہ کہ میرا ربّ تو نماز سے غنی اور
بے نیاز ہے ۔۔۔؟" ۔۔۔ جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا :

" میں اس سے غنی اور بے نیاز ہوں کہ کسی کے لئے نماز پڑھوں
بلکہ میں یہ کہتا ہوں سُبحَانی ..... سُبحَانی ، یعنی پاک ہوں میں
پاک ہوں میں ۔۔۔ میری رحمت میرے غضب اور غصے سے بڑھ گئی ۔۔۔
۔۔۔ اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پڑھیئے :

هُوَ الَّذِی یُصَلِّی عَلَیْکُمْ وَ مَلَائِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِنَ
الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا (سورۂ احزاب)

(ترجمہ : وہ ایسا رحیم ہے کہ وہ خود بھی اور اس کے فرشتے بھی تم پر رحمت بھیجتے
رہتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے)

اس لئے میری نماز کا مطلب آپؐ پر اور آپؐ کی اُمت پر رحمت کرنا
ہے ۔ اور اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جہاں تک آپؐ کے ساتھی کا معاملہ
ہے تو جیسے تمہارے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے عصا یعنی لاٹھی سے

اُنس اور لگاؤ تھا تو اسی لئے جب ہم نے اُس سے ہمکلام ہونے کا ارادہ کیا تو ہم نے اُس سے کہا: کہ اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اُس نے کہا: یہ میرا عصا ہے۔" چنانچہ اس کے بعد اُس کا دھیان میری عظیم ہیبت سے ہٹ گیا اور وہ اپنے عصا کے متعلق باتوں میں لگ گیا ۔۔۔۔

اسی طرح اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) چونکہ تمہیں اپنے ساتھی ابوبکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) سے اُنس اور لگاؤ ہے اسلئے ہم نے اس کی صورت کا ایک فرشتہ پیدا کر دیا جو اُسکی ہی سی آواز میں زور زور سے بولنے لگا تاکہ تو اپنے دوست کی آواز سُنکر آپ کی وحشت دُور ہو جائے جو میری عظیم ہیبت کی وجہ سے آپ کو پیدا ہو گئی تھی۔"

"جہاں تک حق تعالیٰ کی نماز کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں حضرت علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب نماز کی نسبت ذاتِ باری کی طرف کی جائے تو اس سے مراد حق تعالیٰ کا اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے بندے کا ذکر فرمانا ہوتا ہے۔ اور یہی رحمت ہے کیونکہ ظاہر ہے حق تعالےٰ کا اپنے بندے کا ذکر فرمانا سب سے عظیم رحمت و نعمت ہے۔"

حضرت جبرئیلؑ کی خواہش کی مقبولیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: پھر ہم سے حق تعالےٰ نے فرمایا:

"اے محمّد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) جبرئیل کی حاجت اور ضرورت کیا ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"اے اللہ! (جلّ شانہٗ) تو ہی زیادہ جاننے والا ہے۔"

حق تعالےٰ نے فرمایا:۔ "جبرئیل نے جو کچھ مانگا میں نے اس کو دیدیا لیکن صرف ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبّت کی، اور آپؐ کے ساتھی ہوئے۔"

یہاں ساتھی ہونے سے شاید یہ مراد ہے: کہ وہ لوگ جنہوں نے سرِ آپؐ کے دین کی پیروی کی اور آپؐ کی سنّت پر عمل کیا۔ یہی جبرئیل علیہ السلام کی مراد بھی تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی خواہش یا ضرورت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ حق تعالیٰ کے پاس پیش کرائی تھی وہ یہ تھی: کہ "میں آپؐ کی اُمّت کے لئے پُلِ صراط پر اپنا پَر بچھا سکوں تاکہ وہ آسانی سے اس پر سے گذر کر جنّت تک پہنچ جائیں۔ واللہ اعلم۔

دیدارِ خداوندی" اور جنّت کے داخلے میں خصوصیت

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب صاحبِ معراج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذاتِ باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ کا دیدار ہوا، تو آپؐ

فوراً سجدے میں گر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: کہ پھر ربّ العزت نے جو وحی چاہی مجھ پر اُتاری۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ (سورۂ نجم، پارہ ۲۷)

(یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی)

اس آیتِ مبارک کی تفسیر میں علاّمہ ثعلبیؒ اور علاّمہ قشیریؒ نے لکھا ہے کہ اس وقت حق تعالیٰ نے جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل فرمائی اس میں یہ بھی تھی کہ۔ اے محمّد! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جب تک آپؐ جنّت میں داخل نہیں ہو جائیں گے اس وقت تک تمام نبیوںؑ کیلئے جنّت حرام رہے گی۔ اسی طرح جب تک آپؐ کی اُمّت جنّت میں داخل نہیں ہو جائیگی اس وقت تک تمام اُمتوں کے لئے جنّت حرام رہیگی۔

علاّمہ قشیریؒ کہتے ہیں کہ اسی طرح اس وقت حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ وحی بھی نازل فرمائی: کہ حوض کوثر دیگر میں نے آپؐ کی یہ خصوصیّت کی کہ اس طرح تمام جنّتی پانی کے معاملے میں آپؐ کے مہمان ہونگے اُن سب کو شراب، دودھ اور شہد دیا گیا ہے۔ ٭

حضرات!

اس جگہ پہنچ کر کمترین کا دل شافع روزِ جزا صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خیال میں ڈوب گیا اور معلومات و مباحث کا بے پناہ سمندر سامنے آیا جس سے اندازہ ہوا کہ یہ کتاب حصۂ سوم کی طرف محتاج ہے تب کہیں مطالعہ کرنے والے حضرات کی پیاس بجھ جائے گی ـــــ پس اس وقت میں اس کتاب کو اسی جگہ امام ہمام، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درج ذیل قصیدۂ مبارکہ پر ختم کرتا ہوں۔ اور تیسرے حصہ کے لئے آپ انتظار فرمائے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہ

قصیدۂ مبارک

یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا
اَرْجُوْ رِضَاکَ وَاَحْتَمِیْ بِحِمَاکَا

اے سرداروں کے سردار میں آیا ہوں آپ کے پاس، آپ ہی کا قصد کر کے امیدوار ہوں آپ کی خوشنودی کا، اور بچنا چاہتا ہوں آپ کے بچاؤ میں۔

وَاللّٰہِ یَا خَیْرَ الْخَلَائِقِ اِنَّ لِیْ
قَلْبًا مَشُوْقًا لَا یَرُوْمُ سِوَاکَا

اے بہترین مخلوقات، خدا کی قسم مجھے ایسا دل ہے، جو آپ کا ہی شیفتہ ہے اور آپ کے سوا کسی کو نہیں چاہتا۔

وَبِحَقِّ جَاهِكَ اِنَّنِیْ بِكَ مُغْرَمٌ
وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّنِیْ اَهْوَاکَا

اور قسم ہے آپ کی بزرگی کی، کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فریفتہ ہوں
اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں ــــــ"

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرَؤٌ
كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی شخص پیدا نہ کیا جاتا
بلکہ اگر آپ ؐ نہ ہوتے تو تمام مخلوق پیدا نہ ہوتی ــــــ"

اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِكَ الْبَدْرُ اكْتَسٰی
وَالشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاکَا

آپ ؐ وہ ہیں کہ آپ ؐ ہی کے نور سے چاند نے لباس روشنی پہنا،
اور آفتاب بھی آپ ہی کے نورِ حسن سے منوّر ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ــــــ"

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا رُفِعْتَ اِلَی السَّمَا
بِكَ قَدْ سَمَتْ وَتَزَیَّنَتْ لِسُرَاکَا

آپ وہ ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ جب آسمان کی طرف اُٹھائے گئے، تو
آپ ؐ ہی وجہ سے اُسے علو مرتبت حاصل ہوا اور وہ مزیّن ہو گیا آپ ؐ کی شب روی سے ـ"

اَنْتَ الَّذِیْ نَادَاکَ رَبُّکَ مَرْحَبًا
وَلَقَدْ دَعَاکَ لِقُرْبِہٖ وَحَبَاکَا

آپ وہ ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہ آپ کو آپؐ کے ربّ نے مرحبا کہکر پکارا، اور بلایا اپنے قرب کے لئے، اور بخشا جو کچھ کہ بخشا ـــــ"

اَنْتَ الَّذِیْ فِیْنَا سَأَلْتَ شَفَاعَۃً
لَبَّاکَ رَبُّکَ لَمْ تَکُنْ لِسِوَاکَا

آپؐ وہ ہیں کہ ہم لوگوں کے بارے میں آپؐ نے شفاعت کا سوال کیا تو آپؐ کے ربّ نے پکار کر کہدیا کہ یہ مرتبہ سوا تمہارے کسی کو نہ ہوگا۔"

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ
مِنْ زَلَّتِہٖ بِکَ فَازَ وَھُوَ اَبَاکَا

آپؐ وہ ہیں، کہ جب آدم علیہ السّلام نے آپؐ کا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) وسیلہ چاہا اپنی لغزش کے بارے میں، تو کامیاب ہوئے۔ حالانکہ وہ آپؐ کے جدّ بزرگوار ہیں۔"

وَبِکَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُہٗ
بَرْدًا وَقَدْ خَمَدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا

اور آپؐ ہی کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دُعا کی تو اُن کی آگ سرد ہو گئی اور فرد ہو گئی آپ کی روشنی کی نور سے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

وَدَعَاكَ اَيُّوْبُ بِضُرٍّ مَسَّهٗ
فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكَا

اور پکارا آپؐ کو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سختی میں جو انہیں پہنچی،
پس دور کر دی گئی اُن سے وہ سختی جس وقت کہ انہوں نے آپؐ کو پکارا۔"

وَبِكَ الْمَسِيْحُ اَتٰى بَشِيْرًا مُخْبِرًا
بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحًا بِعُلَاكَا

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے آپؐ کی بشارت اور خبر دیتے ہوئے،
آپؐ کے محاسن صفات کی بڑائی کرتے ہوئے آپؐ کے علو پایہ کی۔"

وَكَذَاكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا
بِكَ فِي الْقِيَامَةِ يَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا

اور اسیطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ رہے دنیا میں آپؐ کا وسیلہ پکڑنیوالے
اور قیامت میں اپنے کو محفوظ رکھیں گے، آپؐ کے بچاؤ میں۔"

وَالْاَنْبِيَاءُ وَكُلُّ خَلْقٍ فِي الْوَرٰى
وَالرُّسُلُ وَالْاَمْلَاكُ تَحْتَ لِوَاكَا

اور تمام انبیاء علیہم السلام اور ساری مخلوق اور کل پیغمبر اور
آپؐ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ "۔

نوٹ:۔ اس قصیدہ مبارکہ کے ابیات مذکورہ حضرت الامام رضی اللہ عنہ
نے روضۂ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوتے وقت پیش کئے ہیں۔

قطعۂ تاریخ طباعت دُرّۃ التاج

-: از قلم :-

خاکسار، شوکت حسین کینگ قادری

رہبرِ من کہ مادحِ معراج ٭ دارد بر سر ز علم و دانش تاج
کرد تالیف یک کتابِ عظیم ٭ در مقاماتِ صاحبُ المعراجؐ
شاہ کونینؐ کہ شاہِ شاہانست ٭ جملگی بر جنابِ اُو محتاج
این کتابے کہ یا صحیفۂ غیب ٭ یا مئے معرفت کہ در زجاج
اختتام بر قصیدۂ آں ذات ٭ بہرِ خیرالاُممؐ کہ ہست سراج
بہرِ سالِ طبع چو کردم فکر ٭ بر صفحہ روزگار شود اندراج

از سرِ حق بگفت ہاتفِ غیب
"دُرّۃ التاج حامدِ معراج"

۱۴۱۴ھ

